Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

رقابت

ارمش ہادیہ قمر

رقابت

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم ارمش ہادیہ قمر

All Rights Reserved

Copyright: Armish Hadiya Qamar (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

ر قابت کے تمام جملہ حقوق لکھاری" ارمش ہادیہ قمر" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

قسط نمبر:01&02

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

انتساب

میری یہ پہلی تحریر میری اللہ کے نام جس نے مجھے
لکھنے کی ہمت دی اور میرے قلم میں روانی، اور
میری یہ تحریر میری ماں، اور باپ کے نام۔
ارمش ہادیہ قمر۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

پیش لفظ

اسلام علیکم "!میری یہ پہلی تحریر ہے امید ہے آپ لوگوں کو پسند آئے.... تو۔میری یہ کہانی اور اسلام آباد میں واقع ہے۔ Berlin کے شہر Germany میری یہ کہانی ہے امید نہ چھوٹنے والوں کی۔ ڈٹ کر کھڑے رہنے والوں کی۔اور مکافات عمل کی۔ایک ایسی لڑکی اور ایسے لڑکے کی جن میں غلط کو غلط کہنے کی ہمت۔طاقت۔موجود ہے۔چاہیے۔اس میں اپنی سب سے قیمتی رشتے چھوڑنے پڑیں کیونکہ غلاط،غلط ہوتا۔ اور گناہ، گناہ ہوتا ہے۔

واسلام۔

دعاؤں میں یاد ۔

ارمش ہادیہ قمر۔

باب اول: ۔

اسلام آباد۔

وہ "چار سالہ معصوم بچی تھی!"۔ "

جو "ماما"!۔، ماما"! مجھے ڈھنڈے چلا رہی تھی۔ مگر اس کی آواز اس کی ماں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

وہ مڑی اور ایک راہداری میں قدم رکھا لیکن.....وہ اگلے پل سانس نہیں لے سکی۔ ساکت۔ جامد۔

راہداری کے زینوں کے سامنے خون تھا بے تحاشا خون۔ بے شمار۔ جو بڑھتا جا رہا تھا۔ روکنا کا نام

نہیں لے رہا تھا وہ خون کسی اور کا نہیں اس کی جان سے عزیز ماں کا تھا۔ اس کی ماں زینوں کے اختتام گری

پڑی تھی آنکھیں ایک نقطہ پر ساکت تھیں اور کنپٹی سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔ ان کا خوبصورت چہرہ سفید

پر گیا تھا۔ اس معصوم بچی کے جسم میں لرزش طاری ہونے

لگی وہ چیخنا چاہتی تھی مگر چیخ نہیں پائی، آگے بڑھنا چاہتی تھی لیکن ٹانگیں آگے نہیں بڑھ رہی۔ تھیں۔

ایک دم اسے احساس ہوا اس کے پیچھے

کوئی ہے اس نے گردن موڑی اور پوری قوت سے چلائی "ماما""!۔

وہ ایک چیخ سے اٹھ بیٹھی۔ اے سی کی ٹھنڈک کے باوجود جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وجود ہولے ہولے

لرز رہا تھا۔

پس منظر میں فجر کی آذان کی آواز آ رہی تھی۔ وہ چند لمحھیں گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔ پھر نظر ادھر

اُدھر گھمائی۔

وہ اپنے بڑھے سے خوبصوت، پر تعش، اور لیوش کمرے میں موجود تھی۔ اس نے سئیڈ لیمپ ان کیا پانی کا پڑا

گلاس

لبوں سے لگالیا۔ اور ایک سانس میں سارا پانی پی گئی۔ جیسے صدیوں سے پیاسی ہو۔ اس کا چہرہ نائیٹ بلب کی روشنی میں واضح نہ تھا۔

وہ چند لمحے بیڈ پر بیٹھتے سوچتی رہی۔ یہ خواب اس کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑتے تھے؟ یا ان خوابوں کا مقصد کیا تھا؟ کیوں آتے تھے؟۔

اب وہ آپنے اپر سے لحاف ہٹا کر واش روم کی اوٗر جا رہی تھی۔ سشاید وز ضو کرنے۔ واش میں آکر۔ اس نے بڑے سے قد آور آئینے میں اپنا سرپا دیکھا۔ اب اس کا سراپا واضح تھا۔

وہ سیاہ نائیٹ سوٹ میں ملبوس۔ لمبا قد۔ دھدھیائی رنگت۔ نرم ملائم مکھمل جیسی جلد۔ خوبصورت لمبے، گھنے سیاہ بال جو گھٹنوں سے نیچے آرہے تھے۔ بلکل رپنزل کی طرح مگر رپنزل کے بال سنہرے تھے اور اس کے سیاہ۔

پتلا جسم بلکل اکٹرس کی طرح۔ خوبصورت، پرکشش نقش اور پتلے نقش۔ اور آنکھیں وہ گویا گہرا سمندر تھیں لیکن۔۔۔ اس سمندر کا رنگ سبز تھا۔،

کیونکہ اس کی آنکھوں کا رنگ ہیزل گرین تھا۔ وہ حسین تھی۔ بلا کی حسین۔ سادگی میں بھی قیامت ڈھاتی تھی۔ اور اس کی آواز وہ گویا کویل کی جیسی تھی خوبصورت اور سریلی، بولتی تو سب سنتے بنا روکے بنا تھکے۔

وہ مرینا عبدل ستار تھی۔ عبدل ستار عالمگیر کی اکلوتی بیٹی۔ عالمگیر فاروقی راجپوت کی اکلوتی پوتی۔

پورے راجپوت خاندان کی اکلوتی لڑکی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕

فجر کو باسی ہوئے کئی ساعتیں ہو چکی تھیں۔ یہ منظر راجپوت محل کے گارڈن کا ہے اگر تم اندر جھانک کر دیکھو تو

مرینا عبدل ستار اور عالمگیر فاروقی گارڈ کاوچ پر براجمان تھے بیچ میں میز رکھی تھی۔

لیکن۔۔۔ایسا کہانی کا مزہ نہیں آئے گا کیوں نہ پہلے راجپوت محل کی سیر کی جائے؟۔

یہ محل اسلام آباد کے پوش علاقے میں واقع ہے جیسے راجپوت محل کہا جاتا ہے۔یہ محل سفید، اور سنہیری، رنگ کا بنا ہوا۔چاروں طرف موٹے ستون۔اگر آگے آکر دیکھو گے تو پہلے چار موٹے ستون۔اس کے پیچھے بڑا دروازا اندر جانے کے لیے۔دروازے کی چھت کے اپر بڑا اگول فانوس جس میں موٹے سنہری بالز لٹک رہے تھے لٹک رہا تھا۔دائیں، بائیں طرف دو موٹے ستون بنے تھے اور ان میں خوبصورت کھڑکیاں نظر آتی تھیں۔اور آگے آؤ تو ایک بیریئر بنا تھا دونوں طرف سڑیاں لگی تھیں۔

اپر محل کی جانب جانے کے لیے۔اس سے اور آگے آؤ تو گارڈن بنا تھا۔بیچوں بیچ پانی کا خوبصورت اور بڑا فوارہ بنا تھا۔اور

اس سے آگے ایک بہت بڑا گیٹ اندر جانے کے لیے۔

چاروں اطراف میں گارڈن اور بیچ میں موجود یہ محل۔یہ محل ہر کسی کا خواب ہو سکتا تھا۔ایک دفاع دیکھو تو کئی لمحے دیکھتے جاؤ یہ محل آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا۔

کیسا لگا راجپوت محل؟۔

مرینا اور عالمگیر فاروقی دونوں پچھلے طرف والے گارڈن میں موجود تھے مرینا نے گلابی رنگ کے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس ساتھ اس ہی جوڑے کا دوپٹہ سر پے لیے بیٹھی تھی۔البتہ عالمگیر فاروقی صاحب شلوار قمیض میں ملبوس آنکھوں پے چشما لگائے اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔وہ بارعب شخصیت کے مالک لگتے تھے۔لیکن خیر تھے نہیں۔وہ بہت صاف دل اور پر خلوص شخصیت کے مالک تھے۔اتنی امیری کے باوجود ان کی شخصیت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔آج بھی نرم طبیعت اور ذہین اور سمجھدار قسم کے مالک تھے۔جو فیصلہ کرتے صحیح ثابت ہوتا تھا۔

مرینا کی ہیزل گرین آنکھیں اپنے سامنے کھڑے تیس یا بتیس برس کے نوجوان پر جمی تھیں جس کی آنکھوں کا رنگ سیاہ تھا اور رنگت گہری سانولی۔ لیکن پھر بھی ہینڈسم، اور ڈیشنگ نظر آرہا تھا۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور سر پر سیاہ سندھی ٹوپی پہنی ہوئی تھی۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

نام کیا بتایا؟ مرینا نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

بی بی جی صیفی احمد جی۔ وہ ہنز وہور مسکرا رہا تھا۔

اب کے عالمگیر فاروقی نے چشما اتارا اور مکمل اس کا جائزہ لیا اخبار اور چشما ساتھ پری میز پر رکھا۔

احمد فراز (ڈرائیور) کے بیٹے ہو۔ انہوں نے اسے سنجیدگی سے دیکھ کر پوچھا۔

جی۔

یہاں نوکری کیوں کرنا چاہتے ہو اچھے خاسے پڑھے لکھے اور خوش شکل اور جوان ہو کوئی سرکاری نوکری مل جائے گی۔ انہوں سے اس کی شخصیت دیکھ کر تبصرہ کیا۔

صیفی گویا پھٹ پڑا۔

صاحب جی سرکاری نوکری کے لیے پیسے دینے پڑھتے ہیں۔ نہ ہی مجھے رشوت دے کر جہنمی بنانا ہے۔ اور نہ ہی میرے پاس اتنے پیسے ہیں۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔ دوسری بات ابا نے کہا تھا آپ لوگوں کو گھر کے لیے نوکر نہی ہیڈ بٹلر چاہیے جو سارے اسٹاف کے کام پر نظر رکھے اور انہیں ٹھیک سے کام کرنے کی تلقین کرے۔ اور اس میں ماشاءاللہ اب کے صیفی کی آنکھیں چمکیں۔۔۔ بہت اچھا پیسا ملتا ہے۔

وہ اس لیے کے کام کرنے سے زیادہ کسی کو صحیح طرح کام کروانا مشکل ہے۔ اتنے میں مرینا اب بولی۔

خیر ہمارے گھر میں مالی، کک، گارڈز اور بٹلرز کو ملا کر ٹوٹل تیئیس اسٹاف موجود ہے۔ اور تم ان میں ہیڈ ہو گے اس مہینے کے لیے تمہیں ٹرائیل دینا ہے اگلے مہینے سے سلڑی شروع۔ مرینا فیصلہ لے چکی تھی۔

شکریہ بی بی جی۔ وہ اسے مرینا سے بولا لیکن سر جھکا کر۔

شادی شدہ ہو"!۔یہ عالمگیر فاروقی صاحب تھے۔"

نہیں نکاح ہوا ہے۔اس نے مسکرا کر بتایا گویا یہ مضموع اسے پسند آیا ہو۔

نکاح کے نام پر مرینا عبدل ستار کے آگے سایہ لہرایہ۔گردن میں گلٹی سی ابھری۔آنکھوں کے سامنے وہ فوٹو فریم لہرایا۔

وہ ایک فوٹو فریم تھا۔جس میں چار سالہ معصوم بچی جس نے سر پر سرخ رنگ کا دوپٹہ لے رکھا تھا۔اور ساتھ بیٹھا دس سالہ شہزادہ۔دودھیا رنگت۔پرکشش نقش۔آنکھیں ہیزل گرے۔

لمبا قد۔وہ شہزادوں جیسا حسن رکھتا تھا۔اب کیسا لگتا ہو گا۔اسے کیا؟وہ کیوں سوچ رہی ہے؟وہ تصویر بیس سال پرانی تھی۔خیر اس نے سر جھٹکا۔لیکن کیا محبت ایسے جھٹک جاتی ہے؟۔نہیں ناں؟۔

وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئی مگر ہاضر دماغ نہیں۔

صیفی اپنی فیملی کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ سن رہے تھے۔عالمگیر فاروقی کے وفادار ڈرائیور کا بیٹا تھا کیوں نہ سنتے اسے۔درخوت اور اپر اٹھے سورج اسے بولتے ہوئے اور ان دونوں کو سنتے دیکھتے رہے۔

XXXXXXXXXXXXXX

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ منظر راجپوت محل کے لگجریئس ڈائینگ حال کا ہے۔سفید اور سنہری رنگ کا بنا پر تعش ڈائینگ حال چھت سے لٹکتے سنہری فانوس۔برتن بھی سفید اور سنہری رنگ کے شیشے کے۔یہاں پر ہر چیز کی قیمت مثال آپ تھی۔جیسے یہ محل باہر سے خوبصوت دیکھتا تھا ویسے ہی اندر بھی تھا۔آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا۔

ڈائیونگ حال میں خاموشی تھی۔سب رغبت سے ناشتہ کر رہے تھے۔بس کانٹے اور چھریوں کی آوازیں آتی تھیں۔

سربراہی کرسی پر عالمگیر فاروقی براجمان تھے۔ دائیں طرف عبدل ستار عالمگیر۔ بائیں طرف صدام عالمگیر ۔ان کے ساتھ ان کی بیوی نازیہ بیگم۔ ان کے سامنے مرینا۔ مرینا کے ساتھ زارون صدام۔ اور اس کے ساتھ اس کا بڑا

بھائی حارث صدام۔ صیفی سائیڈ میں مؤدب سا کھڑا تھا۔ کسی کو ضرورت پڑی تو بلائیں گیں۔

دفعتاً عبدل ستار کنکھارے۔ سب ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

بابا جان میں نے.... توقف کیا تھوک نگلا۔ مرینا کے لیے خلا کا نوٹس کورٹ میں دے دیا ہے۔ انہوں نے سرسری سا بتایا البتہ دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پتا نہیں کیا کہیں گیں۔

یک دم ڈائیٹنگ حال میں سناٹا چھا گیا۔ گہرا سکونت۔ کانٹے اور شہریوں کی آوازیں بند ہو گئیں۔ سب یک ٹک عبدل ستار کے چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ مرینا وہ سانس نہیں لے سکی۔ وہ تھم گئی ایک دم چہرہ موڑ کر اپنے باپ کو دیکھا۔ اس سے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔ ہے ناں؟

کیا کہا؟ عالمگیر فاروقی نے اس وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ شاید غلط سنا ہو۔

میں مرینا کا خلہ کا نوٹس کورٹ میں دے آیا ہوں۔ انہوں نے پھر اپنی بات دہرائی۔

مرینا کے لیے یہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پڑھنے لگا تھا۔

بھائی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ آپ کو پتا ہے یہ کتنا بڑا فیصلہ ہے۔ اس سب میں اب صدام عالمگیر بولے تھے۔

مرینا بیٹا تم جا کر چائے بنا کر لے آؤ۔ نازیہ بیگم نے مرینا کو منظر سے ہٹانا چاہا۔

وہ جی کہہ کر تیزی سے نکل گئی۔

یہ کیا بدتمیزی ہے عبدل ستار۔ عالمگیر فاروقی دھاڑے۔

بابا جان ریلکس۔ صدام نے انہیں کنٹرول کرنا چاہا۔

بد تمیزی نہیں ہے اپنی بیٹی کا فیوچر صحیح کر رہا ہوں۔ جو شخص بیس سال میں نہیں آیا وہ اب کیا آئے گا۔ اور آپ کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ اورنگزیب عالمگیر بھائی واپس آجائیں گے۔؟ ان کی آواز تیز نہیں تھی مگر دھمی بھی نہیں۔

عالمگیر فاروقی صاحب کا غصے سے چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ عبدل ستار کو بس دیکھ رہے تھے۔ ان کا بس چلتا گھر سے نکال لیتے لیکن۔ اپنی اولاد کو کون نکالتا ہے؟ بے بسی۔

حارث اتوار کو تمہاری ڈھولکی ہے اس کی تیاری ہو گئی؟ عالمگیر فاروقی نے انہیں نظر انداز کیا۔

اگر عبدل ستار نے کورٹ میں نوٹس دے دیا ہو گا تو وہ بھی عالمگیر فاروقی تھے ان کی اجازت کے بغیر وہ نوٹس کورٹ کے جج تک کیا۔ وکیل تک نہیں پہنچے گا۔ انہیں یقین تھا۔

جی دادا جان۔ حارث نے نرمی اور احترام سے جواب دیا۔

نازیہ بیٹی آپ مرینا کے ساتھ شاپنگ پر جانا اسے کچھ سامان لینا ہے۔ وہ یہ کہہ کر اپنی کرسی دخیل کر اٹھ کر ڈائیونگ حال سے نکل گئے۔

بھائی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ بابا جان سے اتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتے ہیں ۔ صدام کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

میں اپنی بیٹی کا مستقبل سوچ رہا ہوں۔ انہوں نے ترک جواب دیا۔

آپ گڑیا کی طلاق کروا کر اس کا مستقبل بنا رہے ہیں۔ یہ حارث تھا۔

زارون تو مرینا کے ساتھ ہی اٹھ کر چلا گیا تھا۔ زارون مرینا سے دو سال چھوٹا تھا۔

ہاں یہ میرا فیصلہ ہے اور اب میری بیٹی اس عناق اورنگزیب کے لیے ساری زندگی بیٹھی نہیں رہے گی۔ وہ بھی کہہ کر اٹھ کر چلے گئے۔

صیفی البتہ خاموش تماشائی بنا رہا۔ یا پھر؟

وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ یہ کیا ہو رہا تھا ایک کا گھر بس رہا تھا دوسرے کا ٹوٹ رہا تھا۔

✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕

یہ اسلام آباد کا سب سے بڑا اور پاکستان میں تیسرے نمبر پر آنے والا

Centaurus mall

تھا۔ یہ مال اپنے یونک ڈیزائن کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ مال بھڑی جہاز کی شکل کا بنا ہوا تھا۔ اور چھت کے اپر تین اونچی عمارتیں جن میں رہائش موجود تھی یہ مال اور ہوٹل دونوں کا کام کرتا ہے۔ مطلب اگر کوئی اسلام آباد گھومنے آیا ہے اور وہ ہوٹل کے روم میں نہیں رہنا چاہتا تو یہ اس عمارت کے بنے اپارٹمنٹ لے سکتا ہے یہاں تین سے پانچ کمروں والے اپارٹمنٹ موجود ہیں۔ ان اپارٹمنٹ میں کچن واش روم ہر طرح کے کچن کا سامان واشنگ مشین۔ غرض گھر والی ہر چیز موجود تھی۔ بس سامان لاو بوکنگ کرواؤ اور ایک اور گھر تیار۔ یہ اپارٹمنٹ سیل کے لیے نہیں بلکہ ہوٹل کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ۔یعنی گھومتے فرتے اس اپارٹمنٹ میں آؤ تو اپنا گھر لگے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ اپارٹمنٹ اپنے گھر جیسی لوگوں کو پرائیویسی اور سکون دیتے ہیں۔

اپر اپارٹمنٹ اور نیچے پورا مال بنا ہوا تھا۔

لیکن..... آج مرینا عبدل ستار اور نازیہ بیگم اس مال میں خریداری کرنے میں مصروف تھیں۔ مرینا کو ڈھولکی کا ڈریس لینا تھا اور نازیہ بیگم کو تھوڑا بہت سامان۔ اس وقت وہ دونوں ایک بوتیک کے اندر موجود تھیں۔ مختلف۔ پیارے اور مہنگے کام دار جوڑے۔ اسی میں سے ایک سبز رنگ کا جوڑا لیے مرینا قد آدم آئینے کے سامنے کھڑی اپنے اپر لگا کر چیک کر رہی تھی۔ اس نے خود سیاہ رنگ کے ٹوپیس پر اس کا ہی دوپٹہ سر پر لیے کھڑی تھی۔ ساتھ لوئی وتون کا نیو کلیکشن بیگ۔ ایم کے کی سفید ہیلز۔ کارٹر کی نیو کلیکشن

واچ۔ وہ چلتا پھرتا برینڈ تھی۔ اس کی ہر چیز مثال آپ تھی۔ خود بلا کی حسین اور چیزیں۔ خوبصورت اور پر تعیش۔

وہ اس ڈریس کو خود سے لگا کر دیکھ رہی تھی کہ اسے ائینے میں پیچھے کھڑے صیفی کا عکس نظر آیا۔ وہ پیچھے کھڑا سفید شلوار قمیض میں ملبوس ہاتھ پشت پر باندھے ادھر اُدھر دیکھ رہا تھا وہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ عالمگیر فاروقی نے صیفی کو ان کے ساتھ بھیجا تھا۔

تم یہاں کھڑے ہو، چاچی ماں کے پاس جاؤ انہیں ضرورت ہو گی تمہاری؟ مرینا اب دوسرا جوڑا لگا کر دیکھ رہی تھی تب بولی۔ نازیہ بیگم ابھی باہر گئی تھیں دوسرا سامان وغیرہ لینے۔

صیفی جو ادھر اُدھر دیکھ رہا اس کی بات پر چونکہ۔ پھر اسے دیکھا۔ چھوٹی بیگم صاحبہ جی بڑے صاحب جی نے مجھے آپ کی حفاظت کے لیے کہا تھا۔ اس لیے میں یہاں کھڑا ہوں۔ اس نے بڑی نرمی اور مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

مگر پتا نہیں کیوں مرینا کو اس سے عجیب سی چڑ ہو رہی تھی۔ اسے کام پے رکھے دو ہفتے ہو گئے تھے اور یہ عالمگیر فاروقی کا پسندیدہ بن گیا تھا۔ شاید اسی لیے کیونکہ مرینا عبدل ستار اپنے دادا جان کے معاملے میں پوزیسو تھی اسے اپنے دادا کی کسے دوسرے کو زیادہ اٹینشن دینا پسند نہیں تھا۔

میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ وہ غصے سے بولی۔ اب اتنے دونوں کا ضبط کیا غصہ کہیں تو نکالنا تھا ناں؟۔ یہ لو جا کے کاؤنٹر پر پیمنٹ کرو۔ ساتھ اسے ڈریس اور کریڈٹ کارڈ پکڑایا اور خود بوتیک سے نکل گئی۔

صیفی اس کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ اس نے کچھ غلط کہا تھا کیا کہ اس کی چھوٹی بیگم صاحبہ کو غصہ آ گیا۔

اس نے سر جھٹکا اور کاؤنٹر کی اوَر بڑ گیا۔

مرینا اوٹلیٹ سے باہر نکلی تو وہ فوڈ کورڈ کی جانب بڑ گئی۔

ون ڈبل شارٹ اسپریسو۔ کافی شاپ پر بارستا کو آرڈر دیا۔ ابھی پلٹی ہی تھی کہ اس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ صیفی اس کے پیچھے مناسب فاصلے پر کھڑا تھا۔

تم یہاں کیسے پہنچے۔ کیا بھوتوں کی طرح میرا پیچھا کر رہے ہو۔ وہ اسے گھور کر بولی۔ اس کی خوبصورت ہیزل گرین آنکھیں تھوڑی اور بڑی ہوئیں۔ اور زیادہ خوبصورت لگنے لگیں۔

نہیں بیگم صاحبہ جی میں بس صاحب جی کا حکم مان رہا ہوں۔ وہ پھر سے مؤدب سا بولا۔

اس کے پاس اتنا احترام کہاں سے آتا تھا؟

اس حکم میں پیچھا کرنا لکھا تھا؟۔ ہاں؟۔ اس کا غصہ پتا نہیں کیوں بڑھ رہا تھا۔ اسے غصہ نہیں آتا تھا۔ مگر پتا نہیں کیوں اس صیفی پر اسے بہت غصہ آتا تھا۔

وہ بہت معصوم اور حسین تھی۔ اس کا دل بھی اتنا ہی معصوم اور شفاف تھا۔ وہ کسی کی چالاکی یا جلن وغیرہ نہیں سمجھ پاتی تھی۔ مگر جواب دینے میں طوبہ۔ میٹھی چھڑی تھی۔ دوسروں کو باتوں باتوں میں قتل کر ڈالے کسی کو پتا بھی نہ چلے۔

مرینا عبدل ستار خود آرکیٹیکچر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ لاسٹ سیمسٹر اس کے بعد کے اسے اپنی فرم کھولنے کا شوق تھا۔ مگر پہلے اسے کہیں جاب کرنی تھی تاکہ پریکٹس ہو۔ اس نے کئی جگہ انٹرویو دے رکھا تھا۔ اور ان لائین اچھی اور بڑی فرم میں اپنی سی وی بھی دے رکھی تھی۔ اب جواب آنے کی دیر تھی۔

میم آپ کی کافی۔ بارستا اس کی طرف کافی کا گلاس برائے ہوئے تھا۔

وہ ابھی اسے لینے ہی والی تھی کہ۔۔۔۔۔

اتنی جلدی صیفی آگے بڑھا اور وہ گلاس بیرے سے لے کر اس کے آگے کیا۔

مرینا حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی یہ کاروائی دیکھ کر رہ گئی۔ یہ اتنی جلدی ہوا تھا کہ اسے سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہ کبھی صیفی یا کبھی اس کے ہاتھ میں پکڑے کافی کا گلاس دیکھ رہی تھی۔ اب صیفی بارستا کو کریڈڈ کر دے رہا تھا۔

بیگم صاحبہ جی پن انٹر کیجیے۔ اب وہ اس کی طرف سوئیپ مشین برائے ہوئے تھا۔ اس نے جلدی سے پن کو ڈالا۔ اور صیفی کے ہاتھ سے چھپٹنے کے انداز میں گلاس لیا۔ اور آگے نکل گئی۔ صیفی اس کاؤنٹر والے سے کارڈ لے کر اس کے پیچھے لپکا۔

اب وہ سب پارکنگ لاٹ میں کھڑے تھے صیفی مرینا کے لیے گاڑی کا دروازا کھول رہا تھا۔ وہ اندر بیٹھ گئی۔ دوسری طرف سے نازیہ بیگم کے لیے گارڈ دروازا کھول رہا تھا وہ دونوں جب بیٹھیں تو صیفی نے ڈرائیور والی جگہ سنبھالی کیونکہ آج اس کے اباجی نہیں آئے تھے۔ سو وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔ گارڈ کی گاڑی پیچھے تھی۔ اور وہ دونوں پیچھلی سیٹ پر بیٹھی تھیں۔

بابا نے بتایا تھا۔ تمہیں نیار کھا ہے۔ احمد بھائی کے بیٹے ہو؟۔ وہ آج کیوں نہیں آئے۔ گاڑی آگے بڑھی تو نازیہ بیگم کے سوالات شروع ہو گئے۔

جی میں احمد کا بیٹا ہوں۔ آج ان کی طبیعت خراب تھی۔ صیفی موڑ کاٹتے ہوئے۔ انہیں احتراماً سارے سوالات کے جوابات دے رہا تھا۔

دیکھو صیفی تمہیں سارے گھر کے کام کرنے ہیں۔ اسٹاف کو سنبھالنا ہے اور.....وہ آگے کچھ اور بھی کہہ رہیں تھیں۔ صیفی چپ کر کے سن رہا تھا مرینا موبائل استعمال کر رہی تھی۔

اب ان کی گاڑی آگے جاری تھی آوازیں کم ہوتی گئیں یہاں تک کے ختم۔ پیچھے مال کی لمبی عمارتیں اور سورج ان کو جاتے دیکھے گئے۔

XXXXXXXXXXXXXX

فاروقی شاہنواز راجپوت کو اللہ تعالیٰ نے بس اکلوتی اولاد دی تھی۔ ایک بیٹا جس کا نام انہوں نے عالمگیر فاروقی راجپوت رکھا تھا۔ وہ خود اکلوتے تھے اور امیر خاندان میں پیدا ہوئے۔ تو زمینیں اور ساری جائیداد ان کی تھی۔ انہوں نے عالمگیر فاروقی کو اچھا پڑھایا لکھایا اچھا انسان بنایا۔ پھر اپنے دوست کی بیٹی سفینہ سے ان کی شادی کاروائی۔

عالمگیر فاروقی صاحب بہت ہوشیاری اور نرم اور شفاف دل آدمی تھے۔ انہوں نے باپ کے جانے کے بعد ۔زمینوں اور باکی ساری چیزوں کا خود دھیان رکھا۔ پھر دوست کے ساتھ مل کر ایک امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس شروع کیا۔ چونکہ ان کی زمینیں اور کھیتیں تھیں تو وہ پھل اور سبزیاں امپورٹ ایکسپورٹ کرتے تھے۔ یہ ہی نہیں انہوں نے اولڈ ایج ہومس اور کئی اور فانج اور اہسپتالیں کولیں۔

پھر ان کی شادی ہو گئی۔ سفینہ بہت اچھی اور نرم دل خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تین بیٹے آتا کیے۔

پہلا اورنگزیب عالمگیر فاروقی۔

دوسرا عبدل ستار عالمگیر فاروقی۔

تیسرا صدام عالمگیر فاروقی۔

انہوں نے اپنے بیٹوں کی اپنی بیگم کے ساتھ مل کر اچھی طربیعت کی اور انہیں اچھی اور بہترین تعلیم دلوائی ۔

مگر انہیں بیرونی ممالک جانے یا وہاں پڑھنے سے نفرت تھی۔ کیونکہ ان کے دادا شاہنواز راجپوت پاکستان اور انڈیا کی آزادی کی لڑائی میں شہید ہو گئے وہ فوجی تھے۔ ان کا مانا تھا اگر انگریز نہ آتے تو یہ سب نہ ہوتا۔ خیر۔ انہیں انگریزوں سے چڑ تھی خاص طور اب جو قلسطن کا حال ہے۔ یا جو پہلے بھی تھا۔ اس لیے وہ ان کے خلاف تھے۔

انہیں نفرت تھی سخت نفرت بیرونی ممالک جانے سے۔

خیر ان کے بچے بڑے ہوئے۔ ان کی شادیاں ہوئیں۔

اورنگزیب عالمگیر کی ان کی دوست کی بیٹی فاریہ سے۔

عبدل ستار عالمگیر کی بھی ان کی دوسرے دوست نمیز خان کی بیٹی ھدیہ نمیز سے۔

صدام عالمگیر کی اپنی یونیورسٹی فیلو نازیہ سے۔

پھر وہ دادا کے رتبہ پر فائز ہو گئے۔

زندگی نے سفینہ عالمگیر کو مہلت نہ دی سو وہ اپنا ہوتا یا، پوتی دیکھنے سے قبل ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ان کی موت راجپوت خاندان کے لیے بہت بڑا دھچکا تھا۔ مگر وقت رہتے سب سنبھال گئے۔ مگر عالمگیر فاروقی کو اپنی بیوی سے بہت محبت ، عقیدت اور احترام تھا۔ وہ ان کی ساتھی تھیں ہمسفر۔ ان کے بعد وہ اکیلے ہو گئے تھے۔ جو کھولا ان کے پوتوں اور پوتی نے پر کیا تھا۔ مگر بیوی انہیں آج بھی یاد آتی تھیں۔ وہ انہیں نہیں بھول سکتے تھے۔ وہ آج بھی ان کے دل میں وہی مقام رکھتی تھیں جو پہلے تھا۔

عالمگیر فاروقی نرم دل تھے مگر ان کی شخصیت میں ایک رعب سا تھا جو سب ان کی بات مانتے تھے۔ وہ ہوشیاری تھے۔ سو انہوں نے جیسے دیکھا بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ تو انہوں نے اپنی جائیداد اپنے بچوں میں مکمل اور برابر حصے میں تقسیم کر دی۔

اورنگزیب عالمگیر بزنس سنبھالنے لگے۔ عبدل ستار نے اورفانج، اولڈ ایج ہومس اور اسپتال کی زمیداری لے لی۔ صدام عالمگیر وہ ڈی جی تھے انہیں بچپن سے پولیس میں جانے کا شوق تھا سو وہ انہوں نے پورا کیا۔ اور عالمگیر فاروقی کو اپنے تینوں بیٹوں پر فخر تھا۔

مگر ایک دن زندگی ایسی پلٹی کے ہر چیز تہس نہس ہو گئی۔ ان کا اپنے بچوں پر فخر، یقین، مان سب ٹوٹ گیا

۔

سب کچھ۔

بربادی یہاں سے شروع ہوئی تھی راجپوت خاندان کی۔

جیسے سمٹتے سمیٹتے عالمگیر فاروقی راجپوت تھک گئے تھے۔

جن کا زوال ہی اپنے ہوں۔تو دوسروں سے کیا شکوہ۔

✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕

شام ڈھلتی جارہی تھی رات کی چاندنی اپنے ساتھ اسلام آباد کے لیے ہلکی ہلکی رم جھنم لائی تھی۔اور ایسے میں راجپوت محل کے اندر جھانکو تو باہر کی ساری بتایاں کھول دی گئی تھیں۔اور اگر اس وقت اس محل کو دیکھ گے تو آنکھیں کھیرا ہو جائیں گی۔

مرینا عبدل ستار اس وقت کچن میں اپنے پیارے دادا جان کے لیے چائے بنانے میں مصروف تھی۔وہ ایک یہی کام کرتی تھی۔وہ چائے بہت اچھی بناتی تھی۔اس کی ہاتھ کی چائے کے سب دیوانے تھے۔اس وقت بھی وہ یہی کر رہی تھی۔

کچن سے باہر نکل کر زرا لاؤنج میں آؤ تو یہ لاؤنج سنہری اور سفید رنگ کے صوفوں اور دیواریں سے آراستہ تھا۔کونوں میں کیلے کے پتوں کے بڑے بڑے گملے صوفوں کے بیچ میں بڑی سی کافی ٹیبل۔اور ایک خوبصورت دیوار میں نسب سنہری رنگ کا بنا۔ آتش دان۔کونے میں رکھے ریک پر شوپیسس۔

اس وقت انہیں صوفوں پر۔عالمگیر فاروقی۔عبدل ستار اور صدام براجمان تھے۔موضوع گفتگو حارث کی شادی کی تیاریاں تھیں۔حارث میجر تھا اسے فوج میں جانے کا شوق تھا سو وہ فوجی بنا اب میجر کے عہدے پر تھا۔اس وقت وہ ڈیوٹی پر موجود تھا۔

زارون اپنے دوستوں کے ساتھ باہر تھا۔نازیہ بیگم اپنے رشتے دار کے یہاں عیادت پر گئی تھیں۔غالباً ان کے رشتے دار کی طبیعت ناساز تھی۔

کل ڈھولکی کے لیے باہر کالان سجائیں گے۔عالمگیر فاروقی نے صدام کو دیکھ کر کہا۔

جی۔ صدام فورامان گئے۔

عبدل ستار چپ تھے۔ عالمگیر فاروقی ان سے ناراض تھے۔

حارث کو کہو اب چھوٹی کی درخواست دے دے۔ شادی کو صرف ایک مہینہ رہتا ہے۔ عالمگیر فاروقی نے خفگی سے کہا۔

میں نے کہا تھا۔ مگر آپ کو پتا ہے فوجیوں کو چھوٹی کہاں جلدی ملتی ہے۔ انہوں نے بیٹا کا مسلئہ پیش کیا۔

تبھی صیفی اندر داخل ہوا ساتھ بٹلر تھا جس کے ہاتھ میں ٹرالی تھی اس پر چائے کے مگ، کٹلی اور چائے کے لوازمات، بسکٹ، نمکو وغیرہ۔

وہ اندر داخل ہوا تو صیفی نے بٹلر کو بیج دیا۔ اب وہ ان کے لیے کپس میں چائے انڈیل رہا تھا۔ عالمگیر فاروقی نے ادھر اُدھر دیکھا۔ مرینا تو نہیں ہے اور ابھی جو بسکٹ کی پلیٹ صیفی نے ٹیبل پر رکھی تھی انہوں نے اس پلیٹ سے بسکٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کے ان کے ہاتھ کے اپر ایک دھدھیا سفید رنگت اور مخروطی انگلیوں والا ہاتھ رکھ دیا گیا تھا۔ انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا وہاں مرینا کھڑی تھی۔ دھوپ والے لباس میں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ روک کر اسے دیکچن سے باہر نکل کر زرا لاؤنج میں آؤ تو یہ لاؤنج سنہری اور سفید رنگ کے صوفوں اور دیواریں سے آراستہ تھا۔ کونوں میں کیلے کے پتوں کے بڑے بڑے گملے صوفوں کے بیچ میں بڑی سی کافی ٹیبل۔ اور ایک خوبصورت دیوار میں نسب سنہری رنگ کا بنا۔ آتش دان۔ کونے میں رکھے ریک پر شوپیسس۔

اس وقت انہیں صوفوں پر۔ عالمگیر فاروقی۔ عبدل ستار اور صدام براجمان تھے۔ موضوع گفتگو حارث کی شادی کی تیاریاں تھیں۔ حارث میجر تھا اسے فوج میں جانے کا شوق تھا سو وہ فوجی بنا اب میجر کے عہدے پر تھا۔ اس وقت وہ ڈیوٹی پر موجود تھا۔

زارون اپنے دوستوں کے ساتھ باہر تھا۔نازیہ بیگم اپنے رشتے دار کے یہاں عیادت پر گئی تھیں۔غالباً ان کے رشتے دار کی طبیعت ناساز تھی۔

کل ڈھولکی کے لیے باہر کالان سجائیں گے۔عالمگیر فاروقی نے صدام کو دیکھ کر کہا۔

جی۔صدام فورامان گئے۔

عبدل ستار چپ تھے۔عالمگیر فاروقی ان سے ناراض تھے۔

حارث کو کہو اب چھوٹی کی درخواست دے دے۔شادی کو صرف ایک مہینہ رہتا ہے۔عالمگیر فاروقی نے خفگی سے کہا۔

میں نے کہا تھا۔مگر آپ کو پتا ہے فوجیوں کو چھوٹی کہاں جلدی ملتی ہے۔انہوں نے بیٹا کا مسلئہ پیش کیا۔

تبھی صیفی اندر داخل ہوا ساتھ بٹلر تھا جس کے ہاتھ میں ٹرالی تھی اس پر چائے کے مگ، کٹلی اور چائے کے لوازمات، بسکٹ، نمکو وغیرہ۔

وہ اندر داخل ہوا تو صیفی نے بٹلر کو بیج دیا۔اب وہ ان کے لیے کپس میں چائے انڈیل رہا تھا۔عالمگیر فاروقی نے ادھر اُدھر دیکھا۔مرینا تو نہیں ہے اور ابھی جو بسکٹ کی پلیٹ صیفی نے ٹیبل پر رکھی تھی انہوں نے اس پلیٹ سے بسکٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کے ان کے ہاتھ کے اپر ایک دھدھیا سفید رنگت اور مخروطی انگلیوں والا ہاتھ رکھ دیا گیا تھا۔انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا وہاں مرینا کھڑی تھی۔دھوپ والے لباس میں۔

وہ روک کر اسے دیکھنے لگے جو خفگی اور فکر مندی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

پیچھے سب کی دبی دبی ہنسی نکل رہی تھی۔جسے وہ روکنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

داداجان کتنی مرتبہ کہا ہے۔صحت پر نو کمپرومائز۔وہ خفگی سے بولی۔آپ نے صبح ہی دو گلاب جامن کھائے تھے اور ابھی۔میں کیسے روکوں آپ کو۔وہ روہانسی ہو رہی تھی۔آپ کو اپنی صحت کا خیال نہیں ہے بلڈ

شوگر آپ کی ہمیشہ ہائے ہوتی ہے پھر بھی آپ میری بات نہیں مانتے۔اب میں آپ سے ناراض ہوں۔وہ گویہ فیصلہ کر چکی تھی۔

اور عالمگیر فاروقی اپنی جان سے عزیز پوتی کو کیسے ناراض دیکھ سکتے تھے۔وہ بھی اپنے آپ سے۔یہ ناممکن تھا۔

وہ اب سامنے عبدل ستار کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔اور ناراضی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔

میرا بچہ مجھے سے ناراض ہو گیا۔ابھی سوری آئیندہ نہیں کھاؤں گا پکا۔وہ پیار سے دیکھ کر اسے بھلا رہے تھے۔جو ناراضی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

نہیں آپ نہیں مانے گے۔وہ اٹل تھی۔

نہیں۔مانوں گا پکا۔وہ بھی بضد تھے۔

میں آپ کو پنشمنٹ دوں گی۔بچپن میں جب میں آپ کی بات نہیں مانتی تھی آپ پنشمنٹ دیتے تھے بلکل اسی طرح۔

عالمگیر فاروقی کا حیرت سے منہ کھل گیا۔بھئی انہوں نے کب اسے پنشمنٹ دی تھی۔وہ تو اسے کبھی ڈانٹتے بھی نہیں تھے۔مرینا کہی رہی تھی۔

سو آپکی پنشمنٹ یہ ہے کہ آج سے آپ کو میرے ہاتھ کی چائے نہیں ملے گی۔اب اس۔صیفی کی طرف اشارہ کیا جو کونے میں کھڑا ان کی باتیں ملاحظہ فرما رہا تھا۔صیفی کی ہاتھ کی ملے گی۔وہ گویا اٹل تھی۔

یہ مت کرنا۔تمہیں پتا ہے نہ ج جان دادا کی چائے مجھے پسند ہے۔انہوں نے معصوم شکل بنا کر کہا تو۔سب لوگ ہنس دیے۔

لیکن دادا تو جان دادا کی بات نہیں مانتے نہ۔وہ بھی انہیں کی پوتی تھی۔اٹل۔

مرینا ایک بات تو بتاؤ۔ صدام نے مرینا کو مخاطب کیا۔

جی پاپا پوچھیے۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ عبدل ستار کو بابا اور صدام کو پاپا کہتی تھی۔ کیونکہ حارث اس کا دھدھ شریک بھائی تھا سو اس لیے۔ اور نازیہ کو چاچی ماں۔ وہ اپنی ماں کا عہدہ کسی کو نہیں دیتی تھی۔ اس کے لیے اس کی ماں ایک تھی جو اب اس دنیا میں نہیں تھی۔

تم نے کہا بابا جان تمہیں پنشمنٹ دیتے تھے۔ وہ محبت سے اسے دیکھ کر نرمی سے کہہ رہے تھے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اول تو تمہیں پنشمنٹ ملتی نہیں تھی۔ دوئم تمہاری حصے کی بھی پنشمنٹ بھی عناق لے لیتا تھا۔ وہ روانی میں بول گئے۔ مگر جب احساس ہوا تو۔ دیر ہو چکی تھی۔

سب کے چہرے سپاٹ ہو گئے تھے بس عالمگیر فاروقی ہی تھے جو نارمل تھے۔ مرینا وہ بس یک ٹک اپنے باپ جیسے چاچا کو دیکھ رہی تھی جو اب اسے معضرتی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

ایک دم ماحول میں بوجھل پن در آیا تھا۔ سب خاموش ہو گئے تھے۔ کئی لمحے ایسے سرک گئے۔ جسے صیفی نے محسوس کر کے توڑا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

صاحب جی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ چھوٹی بیگم صاحبہ جی نے بڑی محنت سے بنائی ہے۔ صیفی چائے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ جو اس نے کپس میں بھر کر ہر ایک کے آگے رکھی تھے۔

ہوں!"۔ عبدل ستار نے ہنکارہ بھر کر کہا۔ اور چائے کا مگ اٹھیا۔ "

سوری!"۔ صدام کے لب بنا آواز ہلے جو سب نے باخوبی دیکھے تھے۔ "

ویسے دادا جان پاپا کی بات سہی ہے۔ مجھے کبھی پنشمنٹ نہیں ملی۔ سو پنشمنٹ پر مٹی پاؤ۔ (مٹی پاؤ اس کا تکیہ کلام تھا۔) اس لیے آپ کی بھی کینسل۔ اس نے مسکرا کر ماحول کو ہلکہ پھلکہ کرنا چاہا۔

اس کی بات پر سب مسکرا دیے۔ مگر اس کی مسکراہٹ میں اداسی سب نے محسوس کی تھی۔ جس کی وجہ سے سب کے دل کٹ کر رہ گئے تھے۔

ڈھولکی کب رکھی ہے دادا جان۔ اب وہ ان سے نارملی پوچھ رہی تھی۔

اس اتوار کو سوچا ہے تب تک حارث کو بھی چھوٹی مل جائے گی۔ انہوں نے تفصیل سے بتایا۔

کیوں حارث بھائی کو چھوٹی نہیں ملی۔ اسے جیسے حیرت ہوئی۔ تبھی میں سوچوں وہ یہاں کیوں نہیں موجود ہیں انہوں نے مجھے کہا تھا وہ فنکشن سے پہلے چھوٹی لیں گے۔ میں ابھی انہیں فون کر کے آتی ہوں۔ وہ خفگی سے بولتی صوفے سے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ سچ بات تو یہ تھی اسے فرار چاہیے تھی۔ اسے رونا تھا۔ اور یہاں سب کے سامنے وہ رو نہیں سکتی تھی۔ یہاں اس کے ایک آنسوں پر سب نے پریشان ہو جانا تھا۔ وہ سب اسے رونے نہیں دیتے تھے۔ اس کے رونے سے ان سب کے دل دکھ جاتے تھے۔ انہیں مرینا کے آنسوں برداشت نہیں ہوتے تھے۔ ان سب کو تکلیف ہوتی تھی۔ وہ سب اسے خوش دیکھنا چاہتے تھے۔ جو مشکل تھا۔

صدام تم سوچ سمجھ کر نہیں بول سکتے۔ جب مرینا باہر نکل گئی تو عالمگیر فاروقی بھرم ہوتے ہوئے بولے۔

صدام نظریں جھکا گئے وہ خود پشیمان تھے وہ اپنی پیاری بیٹی کو دکھ نہیں پہنچا سکتے تھے۔ وہ ان سے انجانے میں ہوا تھا۔

آئیندہ خیال رکھنا۔ اب چائے پیو میری بچی نے محنت سے بنائی ہے۔ انہوں نے تنبیہ کر کے سب کو چائے کی طرف متوجہ کیا۔ اور خود بھی چائے پینے لگے۔

مگر اب سب کے دل اداس تھے۔ یہ اداسی راجپوت محل میں جیسے گھر کر گئی تھی۔ ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ چاہے کوئی خوشی ہو یا شادی۔

XXXXXXXXXXXXXXXXX

دو دن قبل؛۔

Germany, Berlin;

جرمنی، بیرلین؛۔

کہا جاتا ہے کہ جرمنی کے شہر بیرلین میں نوکریاں بہت جلدی ملتی ہیں۔ یہ شہر راہ فرار، یا پھر روزگار کے لیے اچھا ہے۔ جرمنی اپنے انھی خوبیاں اور قیمتی گنز کے لیے پہچانا جاتا ہے۔

ہماری کہانی بھی آپ کو اسی ملک کے اس شہر میں لے چلتی ہے۔

یہ منظر ایک گن میکنگ فیکٹری کا تھا۔ اندر جاؤ تو مختلف بڑی بڑی مشینیں۔ اور لوہے کے پگھلنے اور تیل کی بوء نتھنوں سے ٹکرائے گی۔ وہاں گنز بن رہیں تھیں اور کونے میں ماسک پہنے ایک ادھیڑ عمر آدمی کھڑے تھے۔ لمبا قد۔ درمیانہ جسم۔ رنگت صاف۔ اور پرکشش نقش۔

اب وہ فیکٹری کے لمبے بڑے گیٹ سے باہر آرہے تھے۔ کالے تھری پیس میں ملبوس۔ کالے چمکدار جوتے۔ وہ وجیہہ لگ رہے تھے اور اپنی عمر سے بھی کم نظر آرہے تھے۔

یہ علائقہ پوش علائیقہ سے دور اور قدر سنسان تھا۔ اور یہاں پر بہت سی فیکٹریاں تھیں۔ جو دور دور تک نظر آرہی تھیں۔

اب وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے سیاہ چمکتی بی ایم ڈبلیو ڈرائیور سوٹ میں ملبوس باہر نکلا اور گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا وہ اندر بیٹھے اب ان کی گاڑی۔ بیرلین شہر کے خوبصورت اور صاف ستھرے شہر پر رواں دواں تھی۔

اب وہ ایک رہائش علائیقے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی گاڑی ایک بڑے سے بنا چھت والے گھر کے آگے روکی تھی۔ یہاں کے گھر اس ترا ہوتے تھے جیسے ایک بڑا چکور ڈبا ہو اس کے اپر تھوڑا سا ئیڈ پر دائیں طرف اس سے تھوڑا چھوٹا ڈبہ رکھا ہو۔ اور اس کے اپر اس سے بائیں جانب اس سے چھوٹا ڈبہ۔ وہاں کے

گھروں کی گیراج کے گیٹ نہیں ہوتے تھے۔ وہ گھر باہر سے سیاہ اور نیلے رنگ کا تھا۔ ان کی بھی گاڑی ایسے گھر کے آگے روکی تھی اب وہ گاڑی بنا گیٹ کے گیراج میں داخل ہو رہی تھی۔

سوٹ میں ملبوس آن ڈیوٹی ڈرائیور باہر نکلا ان کا دروازا کھولا۔

وہ باہر نکلے اور گھر کا دروازا کھلا وہ اندر داخل ہوئے۔

Guten Abend, mein Herr

(Good evening sir)

اندر داخل ہوتے ہی ملازم نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ پھر ان کے ہاتھ میں دھڑا کوٹ لیا۔ اندر بھی سارا گھر سیاہ اور نیلے رنگ کا بنا ہوا تھا۔

اب وہ لکڑی کے زینے چھڑتے دیکھائی دے رہے تھے۔ وہ اپر اپنے بڑے اور پر تعیش کمرے میں داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہیں اپنی پیاری بیوی بیڈ پر بیٹھی دیکھائی دی۔ خوبصورت نقش۔ گوری رنگت۔ درمیانہ جسم اور قد۔ وہ بہت خوبصورت تھیں۔ وہ شلوار قمیض میں ملبوس سر پر دوپٹہ اوڑھے بیڈ پر بیٹھی کوئی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھیں۔ آنکھوں پر ریڈنگ گلاسس لگے ہوئے تھے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسلام علیکم کیسی ہو فاریہ۔ کیا کر رہی ہو؟۔ اورنگزیب عالمگیر اب سنگھار میز کے سامنے کھڑے اپنی گھڑی اتار رہے تھے تب پوچھا۔

وعلیکم السلام میں ٹھیک۔ انہوں نے کتاب الٹی کر کے بیڈ پر رکھ دی۔ اب ان کی طرف متوجہ تھیں ۔ کیسی رہی فیکٹری کی سیر۔ سب ٹھیک تھا۔ اب وہ گلاسس اتار رہی تھیں۔

ہاں ٹھیک تھا۔ ان کی آواز میں تھکان تھی۔ بس اب نئی گنز کو امپورٹ کرنا ہے۔ اس لیے سوچ رہا ہوں عناق کو سنگاپور بیج دوں وہ کر دے گا۔ اب وہ واش روم کی طرف جا رہے تھے۔ مجھ سے یہ کام نہیں ہوتے اب بوڑھا ہو رہا ہوں۔ انہوں نے ہنس کر کہا۔ جیسے اپنی بات سے متفق ہوں۔ اور اندر چلے گئے۔

ان کے واش روم جانے کے بعد فاریہ نے مبائل اٹھایا۔اور فون ملایا۔

ہیلو۔شاید رابطہ مل گیا تھا۔

عناق بیٹا! کہاں ہو۔ شاید دوسری طرف کچھ استفسار کیا گیا تھا۔

تمہارے بابا۔ کو تم سے کام ہے ڈنر تک پہنچو۔۔ ٹھیک اللہ حافظ۔ انہوں نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

کس سے بات کر رہی تھی۔وہ واش روم سے نکل کر بال ٹاول سے رگڑتے آرہے تھے۔تب پوچھا۔

عناق سے۔ کہہ رہا تھا دوستوں کے ساتھ ہے۔ڈنر تک آجائے گا۔فاریہ کہتی ہوئی اٹھیں۔میں ذرہ باہر ڈنر کا دیکھ لوں۔اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

پیچھے اورنگزیب عالمگیر بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔

XXXXXXXXXXXXXXX

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

دو دن قبل؛۔

Germany, Berlin;

جرمنی،بیرلین؛۔

رات ہر اور جرمنی میں پھیل گئی تھی۔اور بیرلین شہر کے اس گھر کی اوٗر آوٗ تو باہر کی ساری سڑک اور گھروں کی بتیاں جلائی گئیں تھیں۔اس گھر کی اندر کھڑکی سے جھانکو تو تمہیں تین نفوس ڈنر کرتے دیکھائی دیں گیں۔یہ ڈائینگ حال کا منظر تھا۔ان کے سامنے مختلف پکوان رکھے ہوئے تھے۔ مگر تھے پاکستانی پکوان۔

عناق تم کل سنگاپور جا رہے ہو۔ گنز کی امپورٹ کے لیے۔ اورنگزیب عالمگیر نے چاولوں کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے حکم سنایا۔

عناق جو اپنی پیلٹ پر جھکا ہوا تھا ان کی بات پر سر اٹھایا۔ اور انہیں دیکھا۔ اب وہ واضح دیکھائی دے رہا تھا۔ لمبا چھ فٹ سے نکلتا قد۔ گوری صاف چٹی رنگت۔ مناسب داڑھی اور مونچھیں جیسے پرفیکٹلی تراشا گیا تھا۔ انکھیں ہیزل گرے رنگ کی۔ پرکشش نقش۔ وہ شہزادوں جیسا حسن رکھتا تھا۔ باڈی بلڈر والی چوڑی اور خوبصورت جسامت۔ وہ حسن اور وجیہات کا شہکار مکمل مرد تھا۔ اس وقت رات کے ٹاوزر اور شرٹ میں بھی۔ ہینڈسم اور ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

جی۔ چلا جاؤں گا۔ اس کی آواز بہت خوبصورت تھی۔ گھمبیر اور اس میں ہلکہ سا شیریں ٹچ اور دیھما لحجہ مگر مضبوط۔ اگر وہ بولتا تو لوگ اس کی آواز سننے کے لیے ترستے۔ اس کی آواز کانوں کو راحت اور سکون پہنچاتی تھی۔ سہراؤں کی کانوں کی پیاس بجھاتی تھی۔

میں نے تمہاری فلائیٹ اور ہوٹل بکنگ کروادی ہے۔ صبح کی فلائٹ ہے۔ اورنگزیب عالمگیر اب پانی کا گلاس منہ سے لگا رہے تھے۔ دو گھونٹ بھرے پھر گلاس ٹیبل پر رکھا۔ دیر مت کرنا۔ آخر میں تنبیہہ کر لے نیپکن سے منہ تھپتھپا اور آٹھ کر باہر نکل گئے۔

عناق سر جھٹکا تا واپس کھانے کی اور متوجہ ہوا۔

عناق۔ ویسے اج تم کہاں تھے۔ اورنگزیب عالمگیر نکلے تو فاریہ نے محبت اور مسکرا کر دیکھ کر اپنے بیٹے سے پوچھا۔

عناق جو کھانا کھا رہا تھا۔ چونکہ۔ "مطلب!"۔ پھر اپنی ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

مطلب یہ کے میرے پیارے بیٹے اپنی ماں سے جھوٹ نہیں بولتے۔ انہوں سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ مجھے پتا ہے تم عشفہ کے ساتھ تھے تو باز آجاؤ۔ آخر میں غصے سے اس کا کندھا تپھک کے آٹھ گئیں۔

عناق شاک سے انہیں دیکھے گیا۔ انہیں کیسے پتا چلا۔ اوہ حماد میں تجھے دیکھ لوں گا۔ آخر میں غصے سے سوچا حماد کی خیر نہیں تھی۔

ابھی وہ دروازے کی اوٹ گئی ہی تھیں تو واپس مڑی اور وہیں سے پھر بولیں۔ عناق انہیں دیکھ رہا تھا۔ کھانے سے ہاتھ روکے۔

صرف لڑکیاں ہی کسی کی امانت نہیں ہوتیں لڑکے بھی ہوتے ہیں۔ تو۔ وہ آنکھوں میں تپش لیے کہہ رہی تھیں۔ اپنی نظریں اور عقلیں سنبھال کر رکھو۔ مجھے اپنی بہو بہت پیاری ہے میں اس کے ساتھ ناانصافی برداشت نہیں کروں گی۔ سمجھے۔ بھلے تمہارا باپ مانے یا نہ مانے میری وہ ہی بہو ہے۔ غصے سے بلند آواز میں تنبیہہ کر کے وہ ڈائیونگ حال سے نکل ہی رہی تھیں جب عناق بول پڑھا۔

میں دوستوں کے ساتھ ہی تھا۔ اور عشفہ میری دوست ہی ہے۔ عناق سچ کہہ رہا تھا۔ عشفہ اس کی اچھی دوست تھی۔ مگر ماؤں کا وہ بیٹوں کا کسی لڑکی سے دوستی مطلب ان کی ڈکشنری میں افیئر۔ عناق کہہ رہا تھا۔ حماد نے بتایا نہ ابکو تو اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ بھی ساتھ تھا۔ اس نے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔ اسے اپنی ماں کا اس طرح اپنی بہو کے لیے لڑنا پسند آرہا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مجھے کس نے بتایا اس سے تمہارا لینا دینا نہیں ہونا چاہیے۔ میں بات تم عشفہ سے دور رہو گے۔ مائینڈ اٹ۔ ورنہ مجھے سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ غصے سے ڈپٹ کر بولتی دروازے سے نکل گئیں۔

پیچھے عناق کا دلکش قہقہہ نکلا۔ وہ مسکراتے ہوئے بھی قیامت ڈھاتا تھا۔

ماما کافی پوزیسو ہیں اپنی بہو کے لیے۔ وہ خود سے کہہ کر مسکرا کے سر جھٹکتے رہ گیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ آسمان ہلکہ ہلکہ نیلا تھا باکی بادل تھے۔ آج موسم ٹھنڈا تھا۔ اج گویا موسم سکون اور دلوں کو راحت پہنچا رہا تھا۔

ایسے میں اورنگزیب ہاؤس میں صبح ہو چکی تھی ساتھ ناشتہ کیا جا چکا تھا۔ وہ سب گھر کے اندر دروازے کے پاس کھڑے تھے۔ عناق سیاہ تھری پیس میں ملبوس ہمیشہ کی طرح شاندار لگ رہا تھا۔ ہینڈسم اور ڈیشنگ بھی۔ ساتھ قدموں میں سوٹ کیس رکھا تھا۔ وہ سنگاپور جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

خیریت سے جاؤ اور خیریت سے آؤ۔ اورنگزیب عالمگیر کہہ کہ اس کا کندھا تھپکا اور اپر اپنی اسٹڈی کی اور چلے گئے۔

اب وہاں عناق اور فاریہ تھے۔

پلیز! بیٹے پاکستان جاؤ۔ وہ روتے ہوئے بولیں۔

عناق نے ان کی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔ وہ اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسوں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تمہیں پتا ہے۔ عبدل ستار بھائی مرینا کی شادی دوسری جگہ کرنے کا سوچ رہے ہیں۔ اب انہوں نے عنان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ بیٹا میں عبدل ستار بھائی کو جانتی ہوں انہیں اپنی بیٹی بہت پیاری ہے۔ اور ہو گی بھی کیوں نہ اکلوتی ہے۔ وہ سانس لینے کو روکی۔ مگر ان کی بات بھی صحیح ہے جب داماد یا بیٹی کا سسرال پلٹ کر نہ دیکھے تو ایسا ہو گا نہ۔ اب وہ بڑی طرح ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

عناق آگے بڑھا انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ اچھا بس رونا بند کریں۔ اور ایسے کیسے شادی کر دیں گے۔ وہ جیسے بھرم ہوا تھا۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

کیوں نہیں کر سکتے۔ بچپن کے نکاح ایک پیشی پہ ختم ہو جایا کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کی ماں تھی۔

اوکے! میں سنگاپور سے واپس آ کے کچھ سوچتا ہوں۔ ٹھیک۔ انہیں الگ کر کے اپنے ہاتھوں سے آنسوں پہنچ کے مسکرا کر پوچھا۔

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ البتہ راضی نہیں ہوئیں۔

وہ پلٹ رہا تھا پھر روکا۔

آپ کو کیسے پتا چلا؟ کہ چچا یہ سب کر رہے ہیں۔ وہ مشکوک انداز میں آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھ رہا تھا۔

بس مجھے پتا چل گیا۔ مجھے جانا ہے کام ہے۔ وہ اب بھاگ رہی تھیں۔

نہ نہ!۔ عناق نے انہیں روکا۔ آپکی کس سے بات ہوتی ہے۔ ہے ناں؟!... تفتیشی انداز۔

کسی سے نہیں اب نکلو دیر نہیں ہو رہی۔ انہوں نے اب اسے ڈپٹہ۔

آہ ہاں!۔ اوکے۔ وہ سمجھ گیا تھا۔ آپ مجھے بتانا نہیں چاہتی۔ خیر۔ اپنا خیال رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔ وہ ایک مرتبہ پھر انہیں اپنے آپ سے لگائے ان کا سر چوما۔ پھر سوٹ کیس اٹھایا اور دروازا کھول کر باہر نکل گیا۔

پیچھے وہ بھی اسے دعائیں دیتی۔ یا کبھی پڑھتی اس پر پھونکتی رہیں تھیں۔

ساتھ ساتھ آنسوں بھی بھر رہے تھے۔ وہ کیا کریں؟۔ کیسے کریں؟۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔

کبھی کبھی انسان کے لیے زندگی ایسے فیصلے کرتی ہے کہ انسان تھک جاتا ہے زندگی کے ان فیصلوں پر رضامندی ظاہر کرتے کرتے۔

زندگی اور وقت کے فیصلے مشکل ہوا کرتے ہیں۔ بے حد مشکل۔

XXXXXXXXXXXXXXX

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

موجودہ دن:۔

اسلام آباد میں واقع یہ محل اپنی پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا۔ اسلام آباد اکتوبر اور نومبر میں بارش اور بادلوں کا گھر ہوا کرتا ہے۔ آج بھی بادل تھے۔ مگر سد شکر بارش نہیں۔ لوگ سکون سے اپنے کام کر رہے تھے۔

محل کے اندر جاؤ تو آج لاؤنج میں منڈلی بیٹھی تھی۔ نازیہ بیگم صوفے پر پیر اپر کیے بیٹھی تھیں۔

مرینا صوفے سے پشت لگائے نیچے رگ پر بیٹھی تھی۔ نازیہ اس کے بڑے، لمبے گھنے بالوں میں تیل لگا

رہی تھی۔ وہ کھولے ٹاورز شرٹ میں ملبوس تھی۔ گلے میں اسکارف ڈالا ہوا تھا۔ بال خوبصورت چھرے کے ایک گرد کھولے تھے تھوڑے پیچھے تھے جن میں نازیہ بیگم تیل لگا رہی تھیں۔

مرو میری بچی!۔ کہا تھا نہ ہر ہفتہ تیل لگاواؤ۔ دیکھا اب بال جھڑنے شروع ہو گئے ہیں نہ۔ وہ اس کی سر کی مالش کرتے ہوئے فکر مندی سے بولیں۔

اس کے سامنے والے صوفے پہ حارث اور زارون بیٹھے۔ ڈھولکی کے انویٹیشن کارڈ سلیکٹ کر رہے تھے۔ ویسے کارڑ تو صرف شادی کے ہوتے ہیں مگر۔ کیا کریں امیروں کے چونچلے یونو۔

گڑیا یہ دیکھو کیسا ہے۔ حارث نے ایک پیلے اور نیلے کلر کا کارڈ اس کی طرف بھڑایا۔

اوں ہوں۔ مرینا نے نفی میں سر ہلایا۔ یہ بہت لائیٹ کلر ہے۔ ڈھولکی ہے بھائی تھوڑے تیز کلر والا پسند کریں۔ ساتھ مشورہ دیا۔ اس کا سر بھی ساتھ ہل رہا تھا۔ کیونکہ نازیہ بیگم ساتھ مالش کر رہی تھیں۔

حارث کو چھوٹی مل گئی تھی۔ اور اگر نہ ملتی تو وہ نوکری چھوڑ دیتا۔ مگر اپنی پیاری بہن کی بات نہ ٹالتہ۔ سو وہ چھوٹی پر تھا۔ وہ اور زارون دونوں گھر کے ٹاوزر شرٹ میں ملبوس تھے۔

دفعتاً سکینہ (گھر کی ملازمہ مرینا کی پسندیدہ) داخل ہوئی۔ ہاتھ میں ڈسٹنگ والا کپڑا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

نیلے رنگ کا۔

سکینہ تمہارے بیٹے کی شادی کیسی رہی؟۔ ہو گئی خیریت سے۔ نازیہ بیگم کٹوتی سے تیل لیتی مرینا کے بالوں میں لگا کر بولیں۔ جو مرینا ہی نے ہاتھ میں پکڑ کر رکھی تھی۔

سکینہ کے بیٹے کی شادی تھی تو وہ چھوٹی پر تھی آج ائی تھی۔

جی الحمدللہ بہت اچھے سے۔ وہ خوش ہوتی بولی۔ مرو باجی وہ آپ کے پرانے کپڑے ہوں تو میری بیٹی کے لیے دے دیجیے گا۔ اب وہ مرینا کے ساتھ فرش پر بچھے رگ پر بیٹھ گئی تھی۔

ہاں پڑے ہیں۔ میرے کمرے کے وارڈروب کے آخری خانے سے نکال لینا جو پسند آئیں۔ وہ اب موبائل اٹھائے کچھ دیکھ رہی تھی۔ تب بولی۔

باجی وہاں تو آپ نئے کپڑے رکھتی ہیں۔ ناں؟۔ اسے لگا اس نے غلط سنا تو پوچھ لیا۔

ہاں تو میں تمہاری بیٹی کو اپنے پہنے ہوئے پرانے کپڑے کیوں دوں۔ وہ گھوڑ کر بولی۔ اسے جیسے غصہ آیا۔

جب میں نئے دے سکتی ہوں تو۔ کیوں پرانے دوں۔ ہاں بتاؤ۔ وہ اسے دیکھ غصے سے بولی۔

جی بی بی جی۔ ٹھیک۔ اس نے چپ رہنے میں غنیمت جانی ورنہ مرینا کا غصہ۔ توبہہ۔ وہ اٹھ کر اب ڈسٹنگ کرنے لگی تھی۔ کونے میں پڑے گملے کی۔

یہ دیکھو گرین کلر کا۔ زارون نے اسے دوسرا والا پکڑایا۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اسے یہ پسند آیا۔

زارون کے چہرے پر فتح یاب والی مسکراہٹ آئی۔ بنا کالر کی شرٹ کے کاکڑ جا رہے۔

دیکھا بھائی۔ رپنزل کو میرا پسند کیا کارڈ پسند آیا۔ ساتھ حارث کو چڑایا۔

اچھا بس بس۔ حارث چڑ ہی تو گیا تھا۔ بھئی اس کی گڑیا کو اس کا پسند کیا کارڈ پسند نہیں آیا تھا۔

مرینا مسکرئی۔ بھائی آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ کا پسند کیا کارڈ میں اپنے دوستوں میں بانٹوں گی۔ وہ اب اس کی ناراضگی دور کر رہی تھی۔

حارث جو مصنوئی منہ پھولائے بیٹھا تھا۔ اس کی بات پر مسکرایا۔

میری پیاری گڑیا۔ ساتھ پیار سے اسے دیکھا۔ مرینا بھی مسکرادی۔

وہ کسی کو ناراض نہیں دیکھ سکتی تھی۔ یہاں تو اپنا بھائی تھا۔

ابھی وہ کچھ کہتے صیفی اندر داخل ہوا ساتھ ہاتھ میں خاکی رنگ کا لفافہ تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ چھوٹی بیگم صاحبہ۔ یہ باہر کوریئر والا دے گیا ہے۔ کہا مرینا عبدل ستار کے لیے ہے۔ صیفی نے لفافہ اس کی طرف بھڑایا۔ ابھی مرینا ہاتھ بڑھانے ہی والی تھی کہ حارث بول پڑا۔

مجھے دیکھاؤ کیا ہے۔ ادھر دو۔ حارث بولا۔ تو مرینا نے کندھے اچکا دیے۔ صیفی نے اس کی طرف لفافہ بھڑایا۔ اس نے لیا۔

اس نے جیسے ہی لفافہ اندر سے کھولا۔ اندر ایک پیپر تھا۔ کوئی لیٹر ٹائپ سفید رنگ کا۔ پرنٹ کیا ہوا۔

حارث نے اسے پڑھا۔ اپر والی سطر۔

گڑیا تم نے کہیں۔ اپلائے کیا تھا کیا۔ وہ لیٹر پڑھ کر بولا۔ ابھی اس نے نیچے نہیں پڑھا تھا۔

مرینا جو موبائل دیکھ رہی تھی۔ چونکی۔ پھر اسے خوشگواری حیرت ہوئی۔ ہاں وہ میں پریکٹس کے لیے ایک آرکیٹیکچر فرم میں اپلائے کیا تھا۔ کیا آ گیا؟، اپروول اتنی جلدی۔ پہلے وہ حیرت سے بولی پھر آخر میں خوشی اور جوش سے۔

حارث اب نیچے تک آ رہا تھا۔

سب اسے دیکھ رہے تھے۔ مرینا خوشی سے، نازیہ بیگم مالش سے ہاتھ روکے۔ زارون آگے ہو کر پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ناکام رہا۔ وہ بہت چھوٹے لفظوں میں لکھا تھا ایسے غور سے پڑھنے پر پتا چلتا تھا۔ وہ وہ قدرے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ اور حارث نے بھی اسے احتیاط سے پکڑا ہوا تھا۔ وہ بس ایک اتفاق تھا کہ حارث کے الاوہ وہ کوئی نہیں پڑھ سگا تھا۔

حارث جیسے ہی لاسٹ لائین پر آیا۔ وہ سانس نہیں لے سگا۔ وہ ساکت رہ گیا۔ اس نے وہ سطر بہت مرتبہ پڑھیں اور ہر مرتبہ وہ سانس نہیں لے سگا۔ وہ ساکت اور جامد ہو گیا تھا۔

وہ سطر کچھ اس طرح تھی۔ انگریزی میں۔

From;

Arhaan Malik.

Signature.

نیچے اس کے سائین ہوئے ہوئے تھے۔ وہ اصلی تھا۔

مگر حارث صدام عالمگیر تو ارحان ملک پر اٹک کر رہ گیا تھا۔ اس نے اپنے سامنے بیٹھی مرینا عبدل ستار کو دیکھا، پھر اس لیٹر کی آخری لائین کو وہ سانس نہیں لے سگا۔ اس کے گلے یں گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

اس کے دماغ میں بس دو الفظ گردش کر رہے تھے۔

ارحان ملک۔ ارحان ملک۔ ارحان ملک۔

وہ لفظ اس کے دماغ میں چابک کی طرح چبھ رہے تھے۔ ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔

کیا ارحان ملک واپس آ گیا تھا؟۔

وہ اپنی قیمتی شے لینے آ گیا تھا؟۔

کیا وہ سالوں پرانی وہ قیمتی چیز لے جائے گا؟۔

اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ نازیہ بیگم کو،، مرینا کو، زارون کو، صیفی کو، سکینہ کو، اور پھر اس سطرح کو۔ اس کا دماغ ماؤف ہوا۔ بھر اسے اپنا جسم مفلوج ہونا محسوس ہوا۔ فوجی ہو کر اسے اپنا دل خوف اور بے بسی سے ڈوبتا محسوس ہوا۔ کوئی بھی انسان جتنا مضبوط ہو۔ جب بات اپنے گھر والوں پر اتی ہے تو کوئی بھی شخص برداشت نہیں کر سکتا۔ اور یہ تو ایک بلا تھی جو ان کے گھر میں ایک کاغذ کے ذریعے داخل ہو گئ تھی

۔

وہ ساکت۔ جامد۔ شل تھا۔

اچانک اس کہانی میں سب لوگ ہر کردار اور ہر ایک چیز بلیک اینڈ وائیٹ ہو گئی تھی۔

باب دوم:۔

دو دن پہلے کی رات کا ذکر ہے کہ.....۔

یہ رات اپنے ساتھ تیز بارش اور گرجدار موسم لائی تھی۔ ساتھ ساتھ آسمان میں بجلی کی صورت تحفہ بھی موجود تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اوپر آسمان میں کوئی فلش لائیٹ مار رہا ہے۔ بچپن میں بچے آسمان میں بجلی کو چمکتے ہوئے دیکھ کر کہا کرتے تھے۔ اپر سے اللہ تعالیٰ ہماری فوٹو کھینچ رہے ہیں۔ خیر۔ یہ تھیں بچپن کی باتیں۔ اب کہانی کی اور آتے ہیں۔

اس وقت راجپوت محل رات میں ڈوبہ ہوا تھا۔ باہر بس چند سرچ لائٹ چل رہی تھیں۔ باہر سے کھڑکیوں پر پڑدے اور لائیٹ آف دیکھائی دے رہیں تھیں۔ تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ سب اپنے اپنے کام نپٹا کر سونے کا مشغلہ فرمارہے ہیں۔ گھر اسکونت تھا بس کتے کی بھونکنے اور چڑیا کی چیں چیں کرنے اور بارش کے برسنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ایسے میں راجپوت محل کے دروازے سے اندر دبے پاؤں داخل ہوتے ہوئے اپری زینے چھڑتے ہوئے۔ اسٹڈی کے اندر جا کے کونے میں چھپ جاؤ اور پھر کہانی دیکھو تو مزہ آئے گا۔ ہم بھی یہی کر رہے ہیں۔ کونے میں چھوپے ہوئے کہانی ملہائزہ فرمارہے ہیں۔

اسٹڈی کا ماحول اور ہوا سردی ہونے کے باوجود بوجھل تھی۔ اسٹڈی میں دھیمی بتیاں جل رہیں تھیں۔ کھڑکیوں پر بلائینڈز برابر کیئیے گئے تھے۔ باہر بارش کی آواز اندر نہیں آتی تھی۔

عالمگیر فاروقی صاحب پاور چیئر پر براجمان تھے۔ عبدل ستار اور صدام عالمگیر وہ دونوں ٹیبل کے آگے رکھے دونوں کاؤچز پر۔ عالمگیر فاروقی کے ہاتھ میں فون تھا۔ اور ٹیبل پر ان کے سامنے تین گلاس پانی کے بھی موجود تھے۔ اور ترتیب سے اان تینوں کے سامنے رکھے تھے۔ اور وہ دونوں مضطرب سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

بابا جان یہ صحیح ہو گا؟. بنا بچوں کو بتائے انہیں فون کر کے دعوت دینا۔ صدام نے کسی خدشے کے تحت پوچھا تھا۔ وہ سب نارمل آواز میں بات کر رہے تھے کیونکہ اسٹڈی ساؤنڈ پروف تھی۔

ہاں! صدام ٹھیک کہہ رہا ہے۔ عبدل ستار نے بھی تائید کی تھی۔

تم دونوں پاگل ہو گئے ہو۔ انہوں نے غصے سے ڈپٹہ۔ اور تم۔ صدام کی طرف اشارہ کیا۔ حارث کو بتاؤ گے؟۔ اور پتا ہے نہ اپنے بیٹا کہ پورا گھر سر پر اٹھا دینا ہے۔ وہ بھرم ہوتے ہوئے بولے۔

اور تم۔ اب عبدل ستار کی طرف اشارہ کیا۔ تم کیسے مرینا کو بتاتے؟۔ اور مرینا چپ چاپ مان جاتی۔ ہاں؟۔ یا یہ کہتی کہ بابا جان آپ نے جو فیصلہ کیا وہ مجھے قبول ہے۔ بھلے صبح آپ میرا خلہ کا نوٹس کورٹ میں دینے کی بات کر رہے تھے۔ انہوں نے پتلی سی آواز نکالنے کی کوشش کرتے ہوئے مرینا کی ممیکری کرنی چاہی تو ۔ تو وہ دونوں ان کے ایکسپریشنز دیکھ کر بے ساختہ قہقہہ مار کر ہنس دیے۔
تو عالمگیر فاروقی صاحب بھی مسکرا دیے تھے۔

وہ دونوں اتنا ہنسے کہ ان دونوں کی آنکھوں میں آنسوں آ گئے تھے۔ دونوں نے آنکھیں رگڑیں۔ مگر یہ آنسوں ہنسی کے نہیں بلکہ اتنے سالوں بعد اپنے بھائی کو فون کرنے اور ان کی آواز سننے کے تھے۔ یہ عالمگیر فاروقی جانتے تھے سو چپ رہے۔

اب تم دونوں کی نوٹنکی ختم ہو گئی ہو تو فون کر لوں؟۔ وہ انہیں گھورتے ہوئے بولے۔

ان دونوں کی آنکھیں حیرت سے کھول گئی۔ بھئی وہ دونوں نوٹنکی کر رہے تھے۔ اچھا؟۔ ممیکری کی بھی ناکام کوشش ان دونوں نے کی تھی۔ اوکے۔

ان دونوں نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا تو۔ عالمگیر فاروقی صاحب نے دھڑکتے دل کے ساتھ فون کال ملایا۔
انہیں نمبر کہاں سے ملا؟ کیسے ملا؟۔ یا کس ایپ پر کال کر رہے تھے؟
وہ تم لوگ جانے دو۔ بس کہانی کو انجوائے کرو۔ تو آگے کہانی کچھ یوں تھی کہ .....

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہاں انہوں نے پہلی رنگ دی وہیں باہر بجلی زور سے چمکی تھی۔ اور وہاں کئی سو کلو میٹر دور اور بہت سے ممالک اور شہر چھوڑ کر ان کے وہاں۔ اورنگزیب عالمگیر کا فون جو کہ ان کی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑا تھا تھرتھرایا۔ یہاں اسلام آباد میں رات کا ایک بج رہا تھا۔ اور وہاں جرمنی کے شہر بیرلین میں رات کے دس بج رہے تھے۔

وہ اور فاریہ دونوں بیڈ پر بیٹھے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر سامنے دیوار میں لگے ٹی وی پر جرمن نیوز دیکھنے میں مصروف تھے۔ اور فاریہ اپنے کتاب کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھیں۔ ابھی انہوں نے ڈنر نہیں کیا تھا۔ سو ڈنر لگنے کا بھی ویٹ تھا۔

دفعتاً ان کا موبائل تھرتھرایا تو انہوں نے دیکھے بغیر نظریں سامنے ٹی وی پر مرکوز کیے۔ فون پیس کر کے کان سے لگا لیا۔ اور جرمن میں بولے۔

Hallo, Ich spreche Auranzeb !

(Hello, I am speaking Auranzeb!)

جب وہ جرمن میں بولے تو عالمگیر فاروقی کے سر سے سب اپر سے غظر گیا تھا۔ مگر انہیں اورنگزیب سمجھ آ گیا تھا۔ اور وہ لفظ۔ سن کر ان کا دل تیزی سے دھڑکا تھا۔ ان کا بیٹا بول رہا تھا؟۔ یہ ان کے بیٹے کی آواز تھی؟. ہاں۔ وہ خود سے دل میں سوال کر کے جواب بھی دے رہے تھے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسلام علیکم میں عالمگیر فاروقی بات کر رہا ہوں۔ وہ اپنے لہجے کو بارعب اور مضبوط بنا کر بولے۔ مگر دل تو دھاڑے مار کر رونے کا کر رہا تھا۔

ادھر کئی سو کلو میٹر دور اپنے کمرے میں اورنگزیب عالمگیر کے اوپر گویا چھت گر گئی تھی۔ وہ سانس نہیں لے سکے۔ وہ ساکت اور جامد رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ شاک اور حیرت کے مارے وہ کئی لمحے کچھ بول نہیں سکے۔ فاریہ جواب ان کی طرف متوجہ ہوئیں تھیں۔ ان کے چہرے کا رنگ

اڑتا دیکھ انہیں فکر مندی ہوئی۔ سو انہوں نے انہیں کندھے سے ہلایا تھا۔ اور اشارہ سے پوچھا۔ کیا ہوا؟۔ تو وہ ہوش میں آئے۔ سلام کا جواب کیا دیتے وہ۔

کک..... کون۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی آواز لڑکھڑائی۔ بھئی اتنے سالوں بعد باپ کی آواز وہ بھی بنا کسی ٹکر وارنگ کے سن رہے تھے تو شاک تو بنتا تھا ناں؟۔

تمہارا باپ۔ اب کے وہ اپنی جون میں واپس آ چکے تھے تو انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ سلام کا جواب دینا بھی بھول گئے ہو۔ ابھی صاف ڈپٹنے والا انداز تھا۔

اورنگزیب عالمگیر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیے۔ ان کے پاس وہ لمحات آ کر گزر گیئے تھے۔ انہیں ابھی یقین ہو چلا تھا کہ وہ ان کا باپ ہی تھا۔ سو وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں اپنے آپ کو کمپوز کر چکے تھے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وعلیکم السلام۔ کیسے ہیں آپ؟۔ وہ اپنی مسکراہٹ دبا کر سنجیدگی سے گویا ہوئے۔ البتہ بابا بولنے کی ہمت نہ ہوئی تھی۔

فاریہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ کہ ان کا شوہر کس سے اردو میں بات کر رہا ہے۔ کہیں دور انہیں یہ خدشہ ظاہر ہوا تھا۔ مگر دل کو ڈپٹ دیا تھا۔

ہوں! میں ٹھیک ہوں۔ تمہارے بھانجے کی شادی ہے۔ بھانجا تو یاد ہو گا نہ تمہیں۔ اب کے انہوں نے صاف طنز کیا تھا۔

وہ جواب خاموش رہے۔

تو حارث کی شادی ہے۔ تمہیں کلیئر کر دیتا ہوں۔ بات صحیح طرح سمجھائی گئی تھی۔ اتوار کو ڈھولکی ہے تم سب اس دعوت میں مدعو ہو اور شادی میں بھی شادی ڈھولکی کے ایک مہینے بعد ہے۔ انہوں نے اپنے مدعا بیان کیا۔ ہو سکے تو آیئے گا ضرور!۔ آخر میں ایسے بولے جیسے ہمارا کوئی اجنبی جو نیا نیا دوست بنا ہو اُسے دعوت دیتے ہیں۔

جی ضرور۔ وہ مؤدب لہجے میں بولے۔ جیسے ہر حکم مانیں گے۔ البتہ ان کی ٹون سن کر دل قہقہہ مار کر ہنسنے کا کر رہا تھا۔ ان کا دل باغ باغ ہو گیا تھا۔ اتنے سالوں بعد باپ نے خود فون کیا تھا۔ اور خود ہی پاکستان بولا رہے تھے۔ انہیں پتا نہیں کیوں اچانک ہر چیز اچھی اور دل کو بھلی لگنی شروع ہو گئی تھی۔

اور پاکستان میں اسٹڈی میں بیٹھے وہ تینوں نفوس کا حال بھی کچھ اسی طرح کا ہی تھا۔ کچھ مختلف نہ تھا۔ دل کا حال اور دلی سکون۔ آنکھوں میں خوشی اور اداسی دونوں کے آنسوں کی نمی بھی۔ وہ دونوں بھی ان کی باتیں سن رہے تھے کیونکہ عالمگیر فاروقی نے موبائل کی فون کال کا اسپیکر آن کر کے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔ تاکہ وہ دونوں بھی بات سن سکھیں۔

اب صرف خاموشی تھی۔گھری خاموشی مگر وہ خاموشی بھی بولتی تھی۔ان سب کے دل کا حال بیان کرتی تھی۔

اچھا اب دیر ہو گئی ہے۔میرے پوتے اور فاریہ بیٹی کو سلام دے دینا۔اللہ حافظ۔جب کچھ بات نہیں ہوئی تو انہوں نے خود کہہ کر فون بند کیا۔جیسے ہی فون بند ہوا ان تینوں نے گہرا سانس لیا ساتھ ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس۔تینوں نے ایک ساتھ اٹھائے۔اور ایک ہی سانس میں پی گئے تھے۔جیسے کوئی معرکہ سر انجام دیا ہو۔

ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر اب واپس اس ڈبہ نما بنے سیاہ اور نیلے گھر کے اس بیڈروم کی طرف آؤ تو اورنگزیب عالمگیر نے بھی سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔اور ان لوگوں کی طرح ساتھ ایک ہی سانس میں گٹک گئے تھے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کیا مطلب؟۔ Telepathy تھی بھئی۔

کیا ہوا؟ کون تھا؟ سب ٹھیک ہے؟۔جب وہ پانی پی کر ریلیکس ہوئے تو فاریہ نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

ہاں الحمدللہ۔آج ہی تو ٹھیک ہوا ہے سب!وہ مسکرا کر سچے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے بولے۔

کیا مطلب۔ فاریہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

فاریہ۔ وہ پورے ان کی طرف مڑے۔

بابا کی کال تھی۔ وہ ہمیں حارث کی شادی کے لیے انوائیٹ دے رہے تھے۔ یعنی Indirectly پاکستان بولا رہے تھے۔ وہ جوش سے فاریہ کے دونوں ہاتھ تھام کر بولے۔ خوشی ان کے چہرے سے عیاں تھی۔ خوشی سے ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ ایسا خوش وہ اتنے سالوں میں کبھی نہیں ہوئے تھے۔

فاریہ چونکی۔ پھر اپنے خدشہ کی تصدیک پر انہیں خوشگوار حیرت ہوئی اور شاک بھی لگا۔ اچھا یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ نے مرینا کا نہیں پوچھا۔ وہ اپنے مودعے پر آگئی تھیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اورنگزیب عالمگیر کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ لب بھینچ لیے۔ ان کے ہاتھ جو تھام رکھے تھے وہ چھوڑ دیے۔ فاریہ کے ہاتھ خالی رہ گئے۔

میں نے بابا سے بات کی تھی نہ کہ ان کے بیٹوں سے نہیں۔ سنجیدگی سے کہتے وہ بیڈ سے اٹھ کر دروازا کھول کر باہر نکل گئے۔

فاریہ کو پتا تھا وہ اسٹڈی میں جا رہے ہیں۔ اور وہ سچ تھا وہ اسٹڈی میں جا رہے تھے ان کا جو موڈ اچھا اور خوشگوار ہوا تھا وہ فاریہ کی بات پر پھر سے تھوڑا خراب ہو گیا تھا۔ اور جو تھوڑا صحیح بچا تھا۔ وہ انہیں خراب

نہیں کرنا چاہتے تھے۔ سو فرار اختیار کر لی۔ وہ اب کچھ دیر اس خوشی کے حصار میں رہنا چاہتے تھے کہ ان کے بابا نے ان سے بات کی انہیں بالایا تھا۔

پیچھے فاریہ بیڈ پر بیٹھی۔ کبھی اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھتی۔ تو کبھی اس بند دروازے کو جہاں سے وہ گئے تھے
۔

وہ ان بھائیوں کے بیچ کیسے صلاح کروائیں؟۔
وہ بس سوچ کر رہ گئیں تھیں۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔
آپ ناراض ہوں، روٹھیں کہ خفا ہو جائیں۔
بات اتنی بھی نہ بگڑے، کہ جدا ہو جائیں۔
۔(وسیم بریلوی)

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

×××××××××××××××××

یہ اس رات کے بعد صبح کا ذکرہ تھا کہ.....۔
آج کی صبح رات سے مختلف تھی۔ جہاں رات موسم طوفانی بارش تھا۔ وہیں صبح نیلا صاف اور شفاف آسمان۔
البتہ سڑکیں گیلیں تھیں۔ جو کہ رات کی طوفانی بارش کا پتا دیتی تھیں۔

اس وقت سب ڈائینگ حال میں ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔ ان تینوں کے چہروں سے رات والے منظر یا کہانی کا کوئی شباح تک نہ تھا۔ سب رغبت سے ناشتہ کر رہے تھے۔ صیفی چھوٹی پر تھا۔ غالباً اس کے رشتے دار کی طبیعت خراب تھی۔ وہ پچھلے تین دن سے چھوٹی پر تھا۔
یہ تب کی بات ہے جب حارث نے چھوٹی ابھی نہیں لی تھی سو وہ بھی ڈیوٹی پر تھا۔

صدام اپنے پولیس یونیفارم اور عبدل ستار اپنے سرمئی تھری پیس میں ملبوس تھے۔ گویا وہ دونوں اپنے اپنے کام پر جانے کے لیے تیار تھے بس ناشتہ کرنے کے لیے روکے ہوئے تھے۔

نازیہ بیگم صدام کے لیے کپ میں چائے ڈال رہی تھیں۔
عبدل ستار توس پر مکھن لگانے میں مصروف تھے۔
زارون رات کو دیر سے گھر آیا تھا۔ تو وہ سو رہا تھا۔
عالمگیر فاروقی ناشتہ کر چکے تھے۔ ابھی ایک ہاتھ میں کپ لیے ساتھ چائے کے گھونٹ بھرتے اور دوسرے میں آئی پیڈ پر خبریں پڑھنے میں مصروف تھے۔
اب اخباروں کا دور گیا۔ ابھی آئی پیڈ کا دور ہے کل کو ان کا بھی ختم ہو گا۔ خیر۔

ایک مرینا تھی جو بس اورنج جوس کا گلاس لبوں سے لگائے گھونٹ لیتی کسی غیر نقطے کو گھورنے کے ساتھ پتا نہیں کن سوچوں میں مصروف تھی۔

مرینا بچے! "ناشتہ کرو"۔ عبدل ستار نے اسے ناشتہ نہ کر کے دیکھ ٹوکا۔

وہ چونکی پھر گلاس کھالی کر کے میز پر رکھا۔ اور ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ نازیہ بیگم اب صدام کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں اور اب ناشتہ کر رہی تھیں۔

بابا! ناشتہ میں جان بوجھ کر نہیں کر رہی کیونکہ میں اور نشی دونوں ساتھ لنچ کرنے جا رہے ہیں۔ اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

اچھا!۔ انہیں حیرت ہوئی۔ تم نے پہلے نہیں بتایا؟۔ سوال کیا گیا۔

رات کو ہی ہمارا پلین بنا تھا۔ بس اس لیے۔ مرینا نے رسان سے جواب دیا۔

ہوں! انہوں نے محض ہنکارہ بھرا۔

بابا آپ رات کو کہاں تھے ؟۔ میں آپکے کمرے میں رات آئی تھی آپ وہاں نہیں تھے اور نہ ہی واش روم میں۔ اب کے مرینا نے ان کے سروں پر دھماکہ کیا تھا۔

عالمگیر فاروقی جو خبریں پڑھنے میں مصروف تھے۔ ان کا ایک لمحے کے لیے سانس روک گیا تھا۔ صدام جو چائے پی رہے تھے ان کے منہ سے چائے فوارے کے مانند نکلی تھی۔
عبدل ستار کا دماغ ماؤف ہوا تھا۔

دھیان سے کیا ہو گیا؟. ان کے منہ سے اس طرح چائے نکلنے پہ نازیہ بیگم فکر مندی سے بولیں۔

کچھ نہیں!۔ وہ ان سے جان چھڑوا کر اب مرینا کی طرف مڑے۔ کہیں مرینا نے ان کی باتیں سن تو نہیں لی؟. یا اللہ۔

ان تینوں کے چہرے ایسے تھے۔ جیسے چور چوری کرتے ہوئے پکڑا جائے۔

عبدل ستار نے گہری سانس لی خود کو پر سکون کیا۔ کچھ نہیں ہوا ہو گا۔ وہ اسٹڈی تک نہیں پہنچی ہو گی۔ خود کو یقین دلوایا تھا۔
عالمگیر فاروقی اور صدام بھی ان کو دیکھ رہے تھے کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

تم رات کو میرے کمرے میں۔ کچھ کام تھا تمہیں؟۔ انہوں نے شفقت اور نرمی سے پوچھا۔ دل البتہ تیزی سے دھڑکا تھا۔

جی! مگر آپ نے بتایا نہیں آپ کہاں تھے؟۔ وہ ابھی تک اسی سوال پر اٹکی ہوئی تھی۔

مجھے رات کو گھبراہٹ ہو رہی تھی تو اس وقت بالکنی میں تھا۔

انہوں نے اسی لیے بالکنی کا دروازاہلکہ کھولا چھوڑا تھا۔ انہیں اسی بات کا ڈر تھا کہ کوئی آءنا جائے۔ کام وہ بھی پکا کر کے گئے تھے۔ اور مرینا نے صحیح میں بالکنی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھتی تو یہ سمجھتی وہ وہیں ہیں۔ اور وہاں جاتی۔ لیکن یہ ہوا نہیں تھا تو ہم سوچیں کیوں؟۔

کیوں بابا۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ آپ اپنی بلڈ پریشر کی ٹیبلیٹ تو ٹائیم سے لیے رہے ہیں ناں؟؟۔ وہ فکر مندی سے بولی۔ مرینا سب کچھ بھول گئی تھی اب اسے اپنے باپ کی طبیعت کی فکر لگ گئی تھی۔

اور عبدل ستار اسے مدعے سے بھٹکا چکے تھے۔

ہاں۔ بابا کی جان میں سب دوائیں ماں لے رہا ہوں۔ بس کبھی کبھار ہو جاتی ہے گھبراہٹ پریشان مت ہو۔ اسے مسکرا کر یقین دہانی کروائی۔ ساتھ شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

پکا؟ آپ کی طبیعت نہیں خراب ہے۔ اسے گویا ابھی تک یقین نہیں آیا تھا۔

نہیں پرنسس۔ وہ مسکرا کر بولے۔ اب بتاؤ رات کوئی کام تھا۔ ساتھ اسے اس کا موضوع یاد دلوایا۔

ہاں بابا آپ کو یاد ہے اس دن میں بھائی کی ڈھولکی کے لیے اپنا جوڑا لینے گئ تھی۔ چچی بھی تھیں۔ ساتھ نازیہ کو دیکھا انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

ہاں۔ تو؟۔ انہیں بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ انہوں نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

تو بابارات کو بارہ بجے۔ سکینہ مجھے ایک لفافہ پکڑا گئی تھی۔ وہ سب کو ایک ایک کر کے دیکھ کر بولی۔

کیا۔۔ بارہ بجے اس میں کیا تھا۔ صدام حیرت سے بولے بھئی ڈی جی کے گھر رات کو کوئی چیز آئی اور انہیں پتا بھی نہیں چل سکا۔ اس میں اسلاح بھی ہو سکتا تھا۔ کتنے دشمن تھے ان کے۔

فلیش بیک رات کے بارہ بجے؛

مرینا اپنے لیوش بیڈ روم میں۔ گلابی رنگ کے نائیٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے خوبصورت لمبے، گھنے بال کھولے ہوئے تھے جو چھرے کی دونوں طرف گر رہے تھے۔ کمرے کی لائٹ بند تھی۔ بس سائیڈ لیمپ چل رہا تھا۔ وہ بیڈ پر پیٹ کے بل لیٹی لیپ ٹاپ میں۔

Malik Enterprises کو اپنی سی وی بیج رہی تھی۔

ساتھ یونیورسٹی کی طرف سے ملا لیٹر بھی کے ان کے اسٹوڈنٹس کو ٹرائیل کرنا ہے تو اس لیے۔

ملک انٹرپرائزسس پاکستان کی بہت بڑی اور بہترین Architectural firm تھی۔

جس کا سی ای او ارحان ملک تھا۔ ان کے خاندان کے لیے بلا۔ مگر وہ آنے والے وقت سے انجان میل بھیج رہی تھی۔

اس کے چہرے پر لیپ ٹاپ کی روشنی پڑ رہی تھی۔ اور اس کا چہرہ بہت حسین لگ رہا تھا۔ مدھم بتی میں۔

وہ پوری دل جمی سے میل بھیج رہی تھی۔ ابھی اس نے سینڈ والے بٹن پر دبا کر میل سینڈ کی ہی تھی۔ کہ باہر بجلی بہت زور سے چمکی تھی۔ اس کی کھڑکی کے پردے نہیں لگے تھے تو اس کی روشنی کمرے تک آئی تھی۔ اور آواز بہت تیز تھی۔ دھماکے کی طرح۔

اس کا دھیان نہیں تھا۔ تو وہ ڈر کر بیڈ سے اچھلی۔ ساتھ ادھر اُدھر دیکھا۔ تب اس کے کمرے کا دروازا کھٹکا تھا۔ وہ اور زیادہ ڈری۔ اتنی رات کو اس کے کمرے کا دروازا کو کھٹکھٹا رہا تھا۔

وہ تھوک نگلتی۔ ساتھ پڑی شال اپنے گرد لپیٹتی۔ آیت الکرسی کا ورد دل ہی دل میں کرتی۔ بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی اور کپکپاتے ہاتھ کے ساتھ دروازا کھولا۔ وہ لاک نہیں تھا۔ وہ دروازا لوک نہیں کیا کرتی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے جیسے ہی دروازا کھولا اس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی۔ سامنے سکینہ کھڑی تھی شال سر سے لیکر جسم تک لپیٹتے ہوئے وہ ایک ہاتھ میں چھوٹی سی ٹارچ لیے دوسرے میں ایک سفید رنگ کا لفافہ پکڑے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا۔ اور آنکھیں نیند کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا چہرہ چھوٹا نظر آرہا تھا کیوں کہ اس نے چہرہ کے گرد بھی شال لپٹی ہوئی تھی۔ سکینہ دو دن بعد اپنے بیٹے کی شادی کے لیے گاؤں گئی تھی۔ ہماری کہانی میں اس کی ضرورت تھی تو وہ وہاں تب موجود تھی۔ وہ درمیانہ عمر کی خاتون تھی۔

سکینہ بی آپ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ وہ گہری سانس لیتے انہیں حیرت سے دیکھ کر بولی۔ عموماً سب سرونٹ اس وقت اپنے کواٹرز میں ہوتے تھے۔ اور وہ لگ بھی ڈراونی رہی تھی اس ہلکی ٹارچ کی روشنی میں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہورر مووی میں ایک آدمی۔ ایک ہاتھ میں لینٹین لے کر کھڑا ہوتا تھا۔ اور پھر بتاتا ہے کہ وہاں بھوت رہتے ہیں۔

بی بی جی۔ یہ مجھے گارڈ دے کر گیا ہے پتا نہیں کس نے اسے دیا تھا۔ وہ اسے کہہ گیا ہے کہ مرینا ہدیہ کو دو۔ تو اس نے کہا کہ یہاں مرینا ہدیہ نہیں مرینا عبدل ستار رہتی ہے۔ تو اس نے پھر بھی اسے پکڑا دیا۔ اور مجھے دیا کے بی بی جی کو دیکر آؤ۔ اور میں امانت میں خیانت نہیں کرتی۔ تو ابھی لے آئی۔ تفصیلی جواب دیکر اپنی خوبی بھی گنوائی۔ یہ ضروری تھا۔ پتا چلنا چاہیے نہ کے وہ کتنی وفادار ہے۔

اور گارڈ نے لفافہ کھول کر نہیں دیکھا ہو گا۔ کیونکہ انہیں مالک کی چیزیں کھول کر دیکھنا منا تھیں۔ اور اس نے سوچا ہو گا اس چھوٹے لفافے میں کیا ہی ہو گا۔ تو خیر ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کیا۔ مرینا ہدیہ۔ اسے حیرت ہوئی سب لوگ اسے مرینا عبدل ستار کے نام سے جانتے تھے یہ پہلا نام تھا۔ کس نے دیا۔ کون تھا؟. گارڈ نے تمہیں بتایا۔ وہ اس سے تفتیشی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

بی بی جی گارڈ کہہ رہا تھا کہ وہ کوئی چھوٹی عمر کا لڑکا تھا۔ اور آپ کے نام لفافہ دے کر یے جاوہ جا ہو گیا۔ نہ اسے نام پوچھنے کی محلت دی۔ اور نہ ہی اس کا پتا۔ سکینہ کی آواز ابھی تک نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اسے نیند آرہی تھی تبھی وہ جلدی جلدی بول رہی تھی اسے سونے جانا تھا۔ صبح پھر جلدی اٹھ کر کام بھی کرنا تھا۔

اچھا!اس نے کہتے ہوئے وہ لفافہ اس کے ہاتھ سے لیے۔اور اس آبرو سے جانے کا اشارہ کیا۔تو وہ شکریہ کہتی یے جاوہ جا ہو گئی۔

مرینا دروازا بند کرتی اندر داخل ہوئی وہ بیڈ کے اوپر پیر نیچے کر کے بیٹھی اور وہ لفافہ کھولا۔لفافہ سفید رنگ کا تھا۔باہر سے اس کے اوپر کچھ نہیں لکھا تھا اس نے الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔وہ باہر سے صاف اور کورا تھا۔

اس نے لفافہ کھول کر اندر جیسے ہی ہاتھ ڈالا تو اس کے ہاتھ میں ایک Zip lock بیگ آیا۔اس نے وہ بیگ کھولا تو اس کے اندر الٹی رکھی گئی چند فوٹوز تھیں۔اس نے پہلی فوٹو پلٹی تو وہ سانس نہیں لے سکی۔وہ کئی لمحے شل رہ گئی۔
ششدر۔شل۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے جلدی سے باکی کی بھی تصویریں پلٹ کر دیکھیں۔یک دم اسے خوف آنے لگا تھا۔!وہ اس دن شام کی تصویریں تھیں۔جب وہ مال گئی تھی چچی کے ساتھ شاپنگ کرنے۔
وہ تصویریں کچھ اس طرح کی تھی۔
جب وہ بوتیک میں قد آدم آئینے کے سامنے ڈریس لگا کر دیکھ رہی تھی۔اس کی تصویر۔
جب وہ کافی شاپ پر کافی آرڈر کر رہی تھی۔
وہ صیفی کو غصے سے گھور رہی تھی۔

وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔

وہ تصویریں کچھ اس اینگل سے لی گئی تھیں کہ اس میں صرف وہ ہی واضح آئی تھی۔

وہ تھوک نگلتی کئی لمحے ماؤف دماغ کے ساتھ بیٹھی رہی تھی۔ پھر سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر پیا۔

اسے کیا کرنا چاہیے ؟۔اس لفافے یہ تصویروں پر کچھ لکھا بھی نہیں ہوا تھا۔اس بابا کو بتانا چاہیے ؟. ہاں !۔۔

یک دم اس کے دماغ میں خیال آیا تھا۔وہ جلدی سے اپنے بال جھوڑے میں لپٹتی ہوئی اٹھی اور باہر کی طرف بڑھی تھی۔

آگے کیا ہوا تھا تم لوگوں کو پتا ہے۔

حال؛

وہ بتا رہی تھی اور سب دھم سادھا اسے سن رہے تھے۔ناشتے سے ہاتھ روکے۔یہاں تک کے سانس روکے۔

وہ لفافہ کہاں ہے۔؟ یہ صدام نے کہا تھا۔وہ حیرت سے نکل آیئے تھے۔وہ ڈی جی تھے انہیں پتا تھا اب کیا کرنا ہے۔ تبھی لفافہ کا پوچھا۔

سکینہ بی۔مرینا نے سکینہ کو بلایا۔

وہ جی کہتی اندر آئی۔

میرے کمرے کے سائیڈ ٹیبل والے دراز میں وہ رات والا لفافہ پڑا ہو گا وہ لے آئیں۔ مرینا نے کہا تو وہ جلدی سے نکلی تھی۔

اب پانچ منٹ بعد منظر کچھ یوں تھا۔ کہ.....۔۔۔۔

وہ سب اپنی اپنی کرسیوں سے اٹھ کر میز کے گرد کھڑے تھے اور میز کے بیچوں بیچ جہاں پہلے ناشتے کے لوازمات پڑے تھے۔ اب وہاں مرینا کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔

اور صدام ایک ایک تصویر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔ بلکل پولیس والوں کی طرح تفتیش کرتے ہوئے۔

یہ تصویریں تم تک کب پہنچی سکینہ۔ ان کی تفتیش شروع ہو چکی پہلا سسپیکٹ فورا نکوئیری سکینہ تھی۔

پولیس والے صاحب جی وہ گیارہ بج کر پچپن منٹ پر۔ سکینہ نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

ہوں!۔ انہوں نے مہیض ہنکارہ بھرا۔

اب مرینا کی باری تھی۔

تم میرے پاس کیوں نہیں آئی تھی؟۔ انہوں نے ابرو آچکا کر پوچھا۔ تو عالمگیر فاروقی اور عبدل ستار ان دونوں نے آبرو آچکا کر اسے گھورا۔ مطلب کہ رات کو ہم سب کہاں تھے؟۔ تمہیں یاد ہے؟۔

صدام نے ان کی گھوریوں کو نظر انداز کیا۔

مجھے لگارات کو آپ کو تنگ کرنا مناسب نہیں ہو گا۔ مرینا اعتماد سے بولی اسے ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور انہوں نے مرینا سے سکینہ کی نسبت نرمی اور شفقت سے سوال کیا تھا۔

ہوں!۔ انہوں نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ اب وہ تصویریں واپس اس بیگ میں ڈال رہے تھے۔ میں پولیس اسٹیشن جارہا ہوں۔ وہیں سے پتا لگواتا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔ وہ کہتے ہوئے تصویروں کا بیگ لیتے ہوئے ڈائیٹنگ حال کے دروازے سے نکل گئے۔

پیچھے اب وہ چاروں بچے تھے۔
عبدل ستار نے مرینا کو آپنے کندھے سے لگایا۔ میری پرنسس کو ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اور پاپا ہیں ناسب ٹھیک کر دیں گے۔ تم انجوائے کرو۔ اور اپنی جیب سے والٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں کریڈڈ کارڈ رکھا۔ اور اپنی بات کہہ کر آخر میں مسکرا کر کہا۔ تو مرینا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کڑیڈڈ کارڈ پکڑا۔ تو وہ بھی اپنے کام کرنے کے لیے نکل گئے۔

وہ گئے تو عالمگیر فاروقی نے اپنی باہیں واکیں تو وہ جلدی سے جا کر ان کے سینے سے لگی۔ تو انہوں نے اس کے گرد حصار مضبوط کیا۔

کچھ نہیں ہوا۔ جان دادا۔ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

نرمی اور شفقت سے اپنے ساتھ لگائے وہ اس سے بولے۔

تو وہ جواب سر ہلا گئی۔

جی بابا صحیح کہہ رہے ہیں۔ مرو تم پریشان نہ ہوں تمہارے پاپا دیکھ لینگے جو کوئی بھی ہو گا اسے۔ نازیہ بھی عالمگیر فاروقی کی بات کی تائید کرتے آخر میں اسے سمجھاتے ہوئے محبت سے بولیں۔ تو وہ مسکرا دی۔ تو وہ دونوں بھی مسکرا دیے۔

البتہ ابھی تک نازیہ اس پر اٹکی تھی کہ رات کو صدام بھی غائب تھے اور عبدل ستار بھائی بھی۔ ان کی نیند کھولی تھی تو انہوں نے بیڈ کی سائیڈ خالی دیکھ کر سوچا تھا کہ وہ واش روم گئے ہونگیں اور پھر وہ سو گئیں تھیں ۔ مگر مرینا کی بات پر انہیں اب شک ہو چلا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کہ ہوا کیا تھا؟ یا

یہ کیا ماجراء تھا؟ .

وہ بس سوچ ہی سکھیں تھیں۔

دوپہر کا وقت تھا اور.....۔

یہ اسلام آباد کے پوش علاقے میں موجود۔ کیفے تھا۔ جیسے، Em, En کہا جاتا تھا۔ وہ لکھا انگریزی میں اس طرح تھا، مگر .....

اسے پڑھتے ایم، این تھے۔

وہ کیفے دو منزلہ تھا۔ پینک اور فلورل تھیم کا بنا ہوا امریکہ طرز کا۔ اس کی ہر چیز در، دیواروں سے لیے کر میز، اور صوفوں تک پینک تھا۔

دروازا دکھیل کر اندر داخل ہو تو۔ بائیں طرف کاؤنٹر تھا۔ وہ کاؤنٹر بیکری کی طرح تھا، نیچے فریج اس کے اندر مختلف اقسام کے desert موجود تھے۔ کیکس، چیز کیکس، پیسٹری، براؤنیز وغیرہ۔ بائیں جانب۔ پینک کاونچز اور میزیں بیچھیں تھیں۔ در دیواروں میں بھی پینک کلر کی ڈزائین بنی ہوئیں تھیں۔ چھت پوری۔ رنگ بہ رنگی پھولوں سے سجی ہوئی تھی۔ جس میں سے کچھ پھولوں کی لڑیاں لٹک رہی تھیں۔ اور ان میں بلب بھی لٹک رہے تھے۔

وہ سارا کیفے زرد روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ دونوں اوپر کونے میں پینک کاونچز پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

انہیں مشکل سے یہ جگہ بوکنگ کے بعد ملی تھی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ بھرا ہوا ہوتا تھا۔

جس کونے میں وہ دونوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک بڑا سا پینک کلر کا پنجرہ رکھا ہوا تھا۔ وہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک آدمی کھڑا ہو جائے تو اسے کوئی مسلئہ نہ ہو۔

وہ کچھ اس طرح بیٹھی تھیں کہ مرینا کہ پشت پر وہ پنجرہ رکھا تھا اور اس کے سامنے والے صوفے پر نشات ارف نشی بیٹھی تھی۔ وہ درمیانہ قد، پتلا جسم، مناسب رنگ، اور عام شکل، مگر آنکھیں اس کی گھڑی اور بڑی سیاہ رنگ کی تھیں جو اسے پُرکشش بناتی تھیں۔ وہ اس وقت گلابی سوٹ میں ملبوس اس کا ہی دوپٹہ سر پر لیے بیٹھی تھی اور ہلکہ میک آپ کیا ہوا تھا۔ وہ پیاری لگ رہی تھی۔ اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں بہت خوبصورت اور نفیس قسم کی ڈائیمنڈ کی رنگ موجود تھی۔ وہ انگیجڈ تھی۔ اور آنے والے وقت میں مسز حارث صدام بننے والی تھی۔ تو جی ہاں وہ حارث صدام کی ہونے والی بیوی تھی۔

جو کہ مرینا کے پسند سے نہیں نازیہ کی پسند سے بنی تھی۔ اس کی ماں نازیہ بیگم کے دور کے رشتے دار تھے۔ تو اس طرح انہیں نشی پسند آئی اور ہو گئی منگنی اور اب شادی کی تیاری تھی۔

وہ دونوں ایک یونیورسٹی اور ایک سیمسٹر می پڑھتی تھیں تو وہ پہلے سے ہی دونوں بیسٹ فرینڈز تھی۔ رشتے داری بعد میں جڑی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس کے برعکس مرینا نے سیاہ رنگ کا کورڈ سیٹ پہنا ہوا تھا۔ اور سفید اسکارف کا حجاب بنایا ہوا تھا۔ وہ اس سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ اس نے میک اپ کے نام پر گلوس لگایا ہوا تھا۔ جو کہ transparent تھا۔ مگر اس کے گلابی لبوں پر لگ کر ایسا معلوم ہوتا تھا اس نے پنک کلر کا گلوس لگایا ہوا ہو۔ اس نے دائیں ہاتھ میں وہ کارٹر کی گھڑی جو کہ حارث اس کے لیے لایا تھا۔ وہ ہی مال والی پہنی ہوئی تھی۔ اور بائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں ایک بہت پیاری نفیس مگر موٹی۔ جس کے بیچ میں چکور بنا ہوا تھا۔ وہ ڈائیمنڈ کی رنگ پہنی ہوئی تھی۔ وہ اسے اس کی برتھ ڈے پر اچانک ایک گفٹ کے طور پر آئی تھی۔ اور وہ

اصلی ڈائیمنڈ کی بہت خوبصورت رنگ تھی سو اس نے رکھ لی۔ اور اس کوریئر والے نے بھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اب وہ اس کی انگلی میں ہمیشہ موجود ہوتی تھی۔

کھانا سرو ہو چکا تھا۔ اسٹیک، میکسیکن رائیز، منچورین وغیرہ موجود تھے۔ مرینا اسٹیک کا ٹکڑا پکڑے اس سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ اور وہ میکسیکن رائیز کھا رہی تھی۔

نشی تم نے شادی کی شاپنگ شروع کر دی۔؟ مرینا نے اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

نہیں ابھی نہیں۔ نشات نے نفی میں سر ہلایا۔ اور تم نے؟۔

اوں ہوں! ابھی میں نے صرف ڈھولکی کا ڈریس لیا ہے۔ وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ساتھ میں ایک اور ٹکڑا کاٹ کر منہ میں رکھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہاں! تم لوگوں کے یہاں جب تک نکاح نہیں ہوتا تو دلہن کسی بھی فنکشن میں نہیں آتی نہ۔ نشی نے قدرے منہ بنا کر کہا۔

ہاں! کوئی بھی فنکشن میں دلہن نہیں آتی۔ بس اس کے گھر والے دلہے کی رسم کرنے آتے ہیں۔ مرینا نے اسے اپنے خاندان کی روایات کے بارے میں آگاہ کیا۔

ہوں۔اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔تم بتاؤ ڈھولکی کی تیاری ہو گئی؟۔ساتھ سوال کیا۔اور چاول کا چمچہ بھر کے منہ میں رکھا۔

ہاں!ابھی جاری ہیں اگلے اتوار کو ہے ناں۔ابھی ٹائم پڑا ہے آرام سے کرتے رہیں گے۔مرینا نے رسان سے جواب دیا۔پھر تھوڑا آگے ہو کر قدرے جوش سے بولی۔اور ڈھولکی کی تھیم میں نے اور زارون نے ملکر بنائی ہے اور ڈیکور والوں کو بنا کر دے دی ہے وہ کر دیں گے۔سب کو بہت پسند آئی ہے۔

اچھا!.....اچھی بات ہے۔اس نے کھاس نوٹس نہیں لیا تھا۔

ہوں!مرینا نے اس کے روکھے انداز کو محسوس نہیں کیا تھا۔
یہ انداز اس کا انگیجمنٹ کے بعد ہوا تھا۔مگر مرینا اپنی دوست کے لیے کچھ برا نہیں سوچ سکتی تھی۔سو اس نے محسوس کر کے بھی نظر انداز کیا تھا۔وہ لوگوں کو جج نہیں کرتی تھی۔ان کے بارے بورا نہیں سوچتی تھی۔

یہ واچ کتنے کی ہے؟ وہ گڑبڑائی۔آئی میں کس نے دی؟۔پہلے قیمت پوچھ کر اندازہ ہوا کہ غلط سوال ہے تو لہجے کو سرسری بنا کر اس نے پوچھا۔

مرینا نے ایک نظر اپنی واچ کو دیکھا اور مسکرائی۔اپنے بھائی کی دی ہوئی اسے ہر چیز پسند اتی تھی۔اور اسے یہ واچ بہت پسند تھی۔اور عزیز بھی۔

یہ کارٹر کی واچ ہے۔اس میں یہ ریئل ڈائیمنڈز لگے ہیں۔اپنا ہاتھ نشی کے آگے کیا۔
مجھے اس کی اگزیٹ قیمت نہیں پتا حارث بھائی قتر گئے تھے وہاں سے لائے تھے۔ساتھ ہی سادگی سے شانے اچکا دیے۔نہ ہی اس نے اسے جلانے کی کوشش کی تھی۔ اور نہ ہی اسے احساس کمتری دینے کی۔وہ بس سادگی سے اسے بتا رہی تھی۔جیسے کوئی دوست اپنی فیورٹ چیز کے بارے میں اپنے دوسرے دوست کو بتاتا ہے۔مگر حارث کی بات سن کر نشی نے لب بھینچ لیے اور غصے سے اس کا چہرہ سرخ پڑا۔

اور تمہیں پتا ہے ایک مزے کی بات...۔وہ پھر آگے ہو کر جوش سے بتا رہی تھی۔مگر اس کے باکی لفظ لبوں میں رہ گئے۔

اسی وقت دو ویٹرز آرہے تھے آس پاس کے آرڈر دینے۔اس میں سے ایک ویٹر کے ہاتھ پر رکھی ہوئی ٹرے پر گرما گرم کوفی کا مگ رکھا ہوا تھا۔اور اسی وقت دوسرے ویٹر جو اس کے پیچھے تھا اس کو ٹھوکر لگی۔
اور جو ویٹر گرم کوفی لے کر آرہا تھا اس سے لگا اور وہ گرم کوفی مگ سمیت مرینا کے Carter والی واچ والے ہاتھ پر جا گرا۔
مرینا اپنی جگہ سے اچھلی اس کا دھدھیا سفید ہاتھ تیزی سرخ پر چکا تھا۔اسے بہت تیز جلن ہونے لگی۔

سوری! آئی ایم سوری میم۔اب ویٹر اس سے شرمندہ ہو کر معذرت کر رہا تھا۔

سوری کس لیے تم نے اس کا ہاتھ جلا دیا۔ائیڈیٹ دیکھائی نہیں دیتا۔نشی اس ویٹر پر مصنوعی چینخ اٹھی۔

اٹس اوکے آپ جایئے۔اس نے ویٹر کو جانے کا کہا۔اور نشی کی طرف مڑی۔کوئی مسلئہ نہیں وہ جلدی میں ہو گا۔ہو جاتا ہے اس نے جنابوجھ کر نہیں کیا۔اب وہ نشی کو کول ڈاؤن کرنے والے انداز میں سمجھا رہی تھی۔

مگر تمہارہ ہاتھ جل گیا۔اور تمہاری گھڑی بھی خراب ہو گئی۔پہلے وہ اس کے ہاتھ کو دیکھ کر قدرے پریشانی سے بولی اور پھر واچ کو دیکھ کر سرسری سا کہا۔

مرینا نے اب جا کر اپنی واچ کو دیکھا وہ چل رہی تھی۔مگر اس کے اندر سیل میں کافی چلی گئی تھی۔جو ڈائیل میں کانٹا چلنے کے ساتھ ہل رہی تھی۔اس کا دل ٹوٹ گیا۔یک دم اس کے آنکھوں میں نمی آنے لگی۔اسے پتا نہیں کیوں وہ واچ اس سے دور جاتی ہوئی نہیں۔بلکہ اس ڈائیل کے شیشے میں اپنے بھائی کے دور جاتا ہوا عکس دیکھائی دیا۔اس نے سر جھٹکا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کچھ نہیں بس چلو چلیں۔وہ اپنے آپ کو سنبھال کر پرس اٹھاتی ہوئی تیزی سے اٹھی۔اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی وہ بل پہلے ہی ادا کر چکی تھی۔تو وہ چلتی بنی۔اسے بہت رونا آرہا تھا۔وہ جلن کا نہیں بلکہ اپنی واچ کا تھا۔

نشی بھی اپنا پرانہ اور قدرے پھدا پارس اٹھا کر اس کے پیچھے لپکی تھی۔

پیچھے پڑے آدھے کھانے اور اوپر بنی پھولوں والی چھت نے نشات مغل کو تاسیف اور مرینا کو دکھ سے دیکھا تھا۔

✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕✕

سورج ڈھلتا جارہا تھا۔ سہ پھر ہو چکی تھی۔ اور اب ٹھنڈ قدرے بھڑ چکی تھی۔ یہ علائیقہ، درمیانہ طبقہ والوں کا تھا۔ چھوٹے اور قدرے خراب بنے ہوئے گھر۔ اسی ایک گھر کے آگے کھڑی نشی لوہے کا دروازا پیٹ رہی تھی۔ گھنٹی موجود تھی۔ مگر خراب تھی۔ تبھی اندر سے لکڑی کا دروازا کھولا اور پھر لوہے کا۔ وہ ایک ساونلے رنگت والی۔ موٹی اور عام نقش والی خاتون تھی۔ اسے وہ خفگی سے دیکھ رہی تھی وہ نشی کی ماں رحیمہ مغل تھی۔ نشات مغل کی ماں تھی۔ ان کا باپ جب وہ پانچ سال کی تھی تو انہیں چھوڑ کر کمانے کے لیے چلا گیا تھا۔ پھر پلٹ کر نہیں دیکھا۔ ہاں پیسے وہ بہت بھجواتا تھا۔ مگر رحیمہ ٹھڑی لالچی اور کنجوس عورت وہ ایک پھوٹی بھی خرچ کرتے ہوئے اس کی سانس جاتی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کیا ہے دروازا پیٹ پیٹ کر توڑ دے۔ بنوائے گا تیرا باپ نہ آکر۔ اس عیشو عشرت کی دنیا سے۔ رحیمہ اسے دیکھ کر خفگی سے بولی۔ اس کا لہجہ ان پڑھ اور گوار عورتوں والا تھا۔

پریشان نہ ہو۔ اب تیری بیٹی بھی امیروں کے گھر بیاہی جارہی ہے۔ وہ قدرے غرور سے بولی۔

ہاں! اگر میں صمیم کو نہ کہتی تو ہو گیا تھا تیرا رشتہ۔ اس سے کہہ کر نازیہ کو کہلوایا تھا۔ ورنہ وہ عمیر کبیر اپنے حسین وجوان بیٹے کا رشتہ دینے سے رہی۔ وہ لہک لہک کر بولتی ہوئی اب منہ میں۔ سپاری رکھ رہی تھی۔

اچھا!بس نہ۔نشات خفگی سے بولی۔ساری دنیا کو چینخ چینخ کر اسکیمے بتادے۔پھر جوش سے آگے ہو کر صوفے پے اس کے ساتھ بیٹھی جہاں رحیمہ بیٹھ چکی تھی۔
صوفہ بھی پرانا تھا لکڑی کا بنا ہوا پشت اور بیٹھنے والی جگہ پر گتا لگا ہوا تھا۔پرانے طرز کے صوفے۔

تو نے صمیم سے کیا کہلوایا تھا؟اس نے جوش سے پوچھا۔

یہ ہی کہ کہہ دے میں تیری رشتے دار ہوں۔اور اس نے وہ اس لیے کہا کیونکہ میں نے اس کے گھر اس کے بچے سنبھالے تھے۔تو اس نے کہا اور پھر تو تو ہے ہی۔ایکٹینگ کی بادشاہ۔نہ نہیں ہیروئین۔یہ ٹھیک ہے۔اپنا کارنامہ فخر سے بتاتے ہوئے آخر میں اسے داد دی۔یہ تب کی بات تھی جب اس کا باپ ابھی اتنے پیسے نہیں بھجواتا تھا تو وہ ان کے گھر بچوں کو سنبھالنے کا کام کرتی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہوں!بات صحیح ہے۔مگر میرا ہونے والا شوہر اپنی بہن کا غلام لگتا ہے۔تجھے پتا ہے آج اس نے اتنی مہنگی گھڑی پہنی ہوئی تھی کہ میں کیا بتاؤں۔وہ پہلے جلن پھر حسد سے بولی تھی۔

پریشان نہ ہو تو اس کی بیوی ہو گی۔اور تو اس مرینا حسن کی دیوی کا ہی تو پتہ کاٹنے جا رہی ہے۔اسے تسلی دے کر اصلی موضوع یاد دلوایا۔

ہاں وہ مجھے بلکل نہیں پسند حسن اور پیسا تو اس کو جیسے اللہ کی طرف سے روز نازل ہوتا ہے۔ وہ نفرت اور حسد سے بولی۔ اس کے لہجے میں مرینا کے لیے صرف نفرت، حسد اور جلن تھی۔
وہ پہلے جو کیفے میں مخلص اور معصوم دوست تھی۔ اب اس کا چہرہ اس سے مختلف تھا۔ اب وہ یہاں اصلی تھی۔ مرینا سے حسد، جلن اور بے انتہا نفرت کرنے والی۔

میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ میرے شوہر کا پیسہ خرچ کرنے کا۔ اس نے جو مہنگی گھڑی پہنی ہوئی تھی وہ میرے شوہر نے اسے دی تھی۔ اور اس کا دھدھیا مخروطی انگلیوں والا ہاتھ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ میں نے ایک بیرے کے آگے اپنا پیر کر لیا۔ اور اس کے ہاتھ سے ٹرے گر گئی۔ اور اس کا ہاتھ گرم کوفی سے جل گیا۔ میرے پورے روح میں سکون اتر گیا تھا۔ اماں اسے تکلیف میں دیکھ کر۔ وہ اپنی بات فخر سے بتاتے ہوئے آخر میں وہ منظر یاد کر کے سکون سے آنکھیں موندے بولی تھی۔

ہاں تو پتہ کاٹ دینا اس کا جاتے ہی۔ کھانے میں آج ٹینڈے پکا رہی ہوں۔ اس کو پٹی پڑھا کر آخر میں کھانے کے لیے بتایا۔

نشی نے منہ بنایا۔ تو ہی اپنے ٹینڈے کھا۔ میں تو اتنا مزے کا کھانا کھا کر آئی ہوں۔ مجھے بھوک نہیں وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بولتی ہوئی ٹی وی کا ریموٹ لے کر ٹی وی چلا چکی تھی۔

میں نے کہا تھا نہ جو بچے وہ بہانے سے گھر لے آئی یو۔ وہ پھر لالچ سے بولی۔

یار اماں! وہ اس منحوس کا ہاتھ جل گیا تو وہ اٹھ کر چلی آئی تو مجھے ڈر لگ گیا کہ اگر اس نے مجھے گھر نہیں چھوڑا تو میں کیا کروں گی۔ وہ پھر سے جنفرت سے بول کر چینل بدلنے لگی۔

منحوس کا سیدھا، جا کر قتل کر دینا۔ ہمارے راستے کا کانٹا ہے۔ وہ نخوت سے بول کر گندے سے بنے چھوٹے کچن میں چلی گئی تھی۔

پیچھے نشی کچھ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی۔ ٹی وی دیکھنے لگی۔

کوئی ان سے پوچھے مرینا نے ان کا کیا بگاڑا ہے؟

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

XXXXXXXXXXXXXXXXXX

وہ گھر پہنچی تو شام ڈھلنے والی تھی۔ راستے میں ٹریفک کی وجہ سے اور نشات کا گھر بھی اسلام آباد کے اینڈ میں آتا تھا۔ کچھ اس وجہ سے بھی دیر ہو گئی تھی اسے۔

وہ جیسے ہی دروازا کھول کر اندر داخل ہوئی۔ سب سامنے ہی نظر آتے بر تعش لاؤنج میں منڈلی لگا کر بیٹھے تھے۔ بس صدام اور عبدل ستار نہیں آئے تھے۔
عالمگیر فاروقی، نازیہ، حارث سب صوفوں پر بیٹھے تھے جبکہ زارون نیچے رگ پر کشنس رکھے بیٹھا نوڈلز کھانے کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

گڑیا کہاں ہے ابھی تک نہیں آئی؟ حارث پریشانی سے نازیہ بیگم سے بولا۔

ہاں! ابھی تک نہیں آئی میں فون کر کے پوچھ لیتی ہوں۔ نازیہ بھی پریشانی سے کہہ کر اٹھ رہی تھی کہ ان کی نظر لاؤنج کے دروازے پر پڑی۔

آڑے! آگئی میری بچی! اتنی دیر لگادی؟ وہ اسے دیکھ کر پیار سے بولیں۔ تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے ۔

اس کی شکل وہ نہیں تھی، جس کے ساتھ وہ گئی تھی۔ اس کی شکل سے کچھ غلط ہونے کا پتا لگ رہا تھا۔ حارث اس کا جائزہ لے ہی رہا تھا، جب اس کی نظر مرینا کے ہاتھ پر پڑی وہ چونکہ۔ وہ سرخ پڑ رہا تھا۔

گڑیا یہ کیا ہوا؟۔ وہ فکر مندی سے بولتا ہوا اٹھ کر اس تک آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا جائزہ لینے لگا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ جل گیا ہے ناں؟ کیسے جلا۔؟ نازیہ بیگم اس کا اس قدر سرخ ہاتھ دیکھ کر فکر مندی اور پریشانی سے بولیں ۔

وہ... ایک ویٹر جلدی سے آرہا تھا۔ تو اس سے کوفی گر گئی۔ میں ٹھیک ہوں آپ لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں. وہ بدوقت مسکرانے کی سعی کرتی ہوئی بولی۔

وہ ویٹر اندھا تھا۔ہاں اور کیسے پریشان نہ ہوں اتنا جل گیا ہے۔ کتنی تکلیف ہو رہی ہو گی تمہیں۔حارث غصے سے بولتے آخر میں فکر مندی سے بولا۔

بیٹا اس کو صوفے پر بٹھاؤ۔ سکینہ فرسٹ ایڈ باکس سے اوئینٹمٹ لاو۔ عالمگیر فاروقی اسے تاکید کرتے۔ سکینہ کو آواز دی۔

سکینہ جلدی سے اوائینٹمٹ لائی۔ حارث اسے صوفے پر بٹھا کہ خود گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اسے کریم لگانے لگا۔زارون بھی نوڈلز چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

اس ویٹر کی تو میں خبر لوں گا۔اندھا تھا کیا کر رہا تھا کہ جلا دیا ہے۔ابھی تھوری دیر اور ہوتی تو چھالے بن جاتے۔ حرث غصے سے بولا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

صحیح کہا بھائی۔زارون نے بھی تائید کی۔وہ بھی فکر مندی سے اس کے چہرے کو دیکھ کر بولا۔

نہیں کوئی ضرورت نہیں اس بیچارے نے جان بوجھ کر نہیں کیا ۔وہ پریشانی سے بولی مبادھا وہ چلا ہی نا جائے۔ کیونکہ اسے یقین تھا حارث جاتا بھی۔

اس نے لب بھینچ کر تکلیف برداشت کی۔ مگر اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔اس نے واضح دیکھا تھا کہ نشات نے اس ویٹر کو ٹھوکر مروائی تھی۔ مگر جب تک وہ سمجھ پاتی اس کا ہاتھ جل چکا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں سے آنسوں ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔ اسے اپنی دوست کا یہ رویہ سمجھ نہیں آیا تھا۔ وہ تو اس سے اتنی محبت کرتی تھی اس پر اعتبار کرتی تھی پھر اس نے یہ کیوں کیا؟۔

زارون جو اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا چونکہ۔ رپنزل چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔ تمہیں زیادہ جلن ہو رہی ہے۔ وہ بولا تو حارث نے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوں لڑیوں کی سورت گر رہے تھے

۔

گڑیا۔ اس نے تڑپ کر اسے پکڑا۔ وہ اس کے اس طرح رونے پر تڑپ ہی تو گیا تھا۔ چلو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔ وہ اٹھا وہ سب بھی پریشان ہو کر اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کبھی اس طرح نہیں روئی تھی۔ وہ معصوم انہیں کیا بتاتی یہ سب سے عزیز دوست کی بے اعتنائی کے آنسوں تھے۔ اس نے آج اپنی دوست کے آنکھوں میں اپنے لیے جلن، حسد اور بے انتہا نفرت دیکھی تھی۔ وہ اس نے کبھی زندگی میں بھی کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے ایسی جلن، حسد اور نفرت نہیں دیکھی تھی۔ جو اس نے آج اپنے لیے نشی کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ اس جلن, حسد اور نفرت سے خوف زدہ ہوئی تھی۔

نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ بس جلن ہوئی اس لیے۔ وہ خود کو سنبھال کر جلدی سے بولی۔

لیکن جان دادا تمہیں بہت جلن ہو رہی ہے نہ۔ تو جاؤ بچے۔ عالمگیر فاروقی بھی پریشانی سے بولے۔

ہاں جاؤ مرو ورنہ چھالے نہ پڑ جائیں۔ بلکہ تمہیں نظر لگ گئی ہے۔ تمہیں منع کیا تھا نہ کہ سیاہ پہن کر باہر مت جانا تم اس میں بہت حسین لگتی ہو ہاں۔ نازیہ بیگم پریشانی سے بولتی ہوئی انہیں نظر لگنا یاد آ گیا تھا۔

بات تو صحیح تھی مرینا کو نظر لگی تھی۔ مگر وہ نظر نہیں حسد، جلن اور نفرت کی نظر تھی۔ جو لوگوں کو قبر میں پہنچا کر پھر دم لیتی ہے۔

میں ابھی تمہاری نظر اتارتی ہوں۔ وہ کہتی ہوئی کچن میں چلی گئیں۔

جبکہ حارث اس کے ساتھ اوپر صوفے پر بیٹھا اس کا سر اپنے کندھے پر رکھے۔ اس کر گرد حصار بناتے اس کے سر کو تھپکنے لگا۔ وہ اسے پر سکون کر رہا تھا۔

زارون بھی اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر پھوک مار رہا تھا۔ جس پر اب مرہم لگ چکا تھا۔ مگر پھر بھی اسے تسلی نہ ہوئی تھی۔

اس کے دونوں بھائیوں میں اس کی جان بستی تھی۔ اور دونوں بھائیوں کی اس میں۔ وہ اس کی ذرہ سی تکلیف پر تڑپ جاتے تھے۔

عالمگیر فاروقی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھنے لگے۔ جو کہ بہن کے تھوڑے سے درد پر تڑپ گئے تھے۔

مرینا کا بخت تھا محبت، عزت، شہرت اور ترقی۔ جو اس سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا تھا۔
چاہے کتنی بھی نشات آجائیں۔

حاسدوں اور نفرت کے شر سے اللہ کی پناہ۔

موجود دن؛

وہ ابھی تک۔ ساکت تھا، شل۔ جامد۔
لاؤنج میں گھر اسکونت تھا۔ سب اسے خاموشی سے تک رہے تھے جس کے چہرے کا رنگ قدرے پیکھا پر چکا تھا۔
کوئی اسے امید سے دیکھ رہا تھا۔ تو کوئی تفتیش سے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے اس سطر سے نظر اٹھا کر دیکھا۔ تو سب اسی کی طرف متوجہ تھے۔ وہ خود کو سنبھال کر بدوقت مسکریا۔

ہاں! گڑیا تمہارا جوائینگ لیٹر آیا ہے۔ حارث اسے دیکھ کر بولا۔

اچھا! اتنی جلدی وہ خوشی سے اٹھ کر اس کی طرف آئی۔ اور اس کے ساتھ بائیں طرف بیٹھ گئی۔ دیکھائیں۔
اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔

حارث کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ خود اپنی بہن اور خاندان کے برباد ہونے کا یہ پرمٹ کیسے تھمائے۔ مگر اس سے پہلے زارون نے اسے اچک لیا۔ ان دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا جو اب بلند آواز میں اسے پڑھ رہا تھا۔

To,

Marina,

We read your email and check your

Cvs,

It is informing you that we select ,

You for your practice at our ,

Firm so kindly come tomorrow,

And join us.

Thanks,

CEO & Founder of Malik Enterprises,

Arhaan Malik ,

Signature.

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ جو بلند آواز میں پڑھ رہا تھا۔ اس کا سانس روک گیا۔ ارحان نام پر اس کی آنکھیں حیرت اور مارے شاک کی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں تھیں۔ وہ کئی لمحے ساکت اور جامد ہو گیا۔ نہیں بلکہ ششدر اور شل بھی۔

کچھ یہ ہی حال بھی نازیہ بیگم کا تھا۔ وہ سانس نہیں لے سکھیں۔

اب کے لاؤنج میں سکونت تھا گھرا۔ خوفناک سکونت۔ وہ سب سانس بھی نہیں لے رہے تھے۔ گھری خاموشی۔ اس خاموشی
میں ان کی سانس لینے کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ ان سب کا سانس تک ساکت و جامد تھا۔ کئی لمحے ایسے خاموشی اور سکونت کے نظر ہو گئے۔ مرینا ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھنے لگی جو سانس بھی نہیں لے رہے تھے۔

رپنزل! تم نے کہاں میل بھیجی تھی۔ اس مقدس خاموشی کو زارون نے ٹوڑا۔ اس کی آواز میں واضح ڈر تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

میں نے پاکستان کی سب سے بڑی ملک انٹر پرائزس کو بھیجی تھی کیوں؟ اس نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

مرینا میری بچی تمہیں نظر لگ گئی ہے میں نے کہا تھا نہ۔ گھری گندی نظر۔ نازیہ بیگم روتے ہوئے بولیں تھیں۔ ان کی آواز میں بھی ڈر تھا۔

چچی ماں آپ رو کیوں رہی ہیں۔ وہ فکر مندی اور پریشانی سے بولتی جلدی ان کے پاس آئی تھی۔ انہوں نے بغیر دیر کئی اسے اپنے سینے میں پیھنچ لیا تھا۔

مر و اپنی چچی ماں کی بات مانوں گی نہ۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی۔ وہ اس کا حسین چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھرے منت کرنے لگیں تھیں۔

آپ جو کہیں گی میں کروں گی۔ وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے بولی تھی۔ وہ ان کے اس طرح رونے پر پریشان ہو گئی تھی۔
وہ اپنے خاندان کے لیے ہر چیز چھوڑ دے یہ تو بس پریکٹس تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

زارون رخ موڑ کر اب ٹکر ٹکر حارث کو دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اسے۔ ان دونوں بھائیوں کے دماغ اور جسم مفلوج ہو گئے تھے۔ اور زبانوں پر تو جیسے فقل لگ گیا تھا۔

مگر آپ اتنی پریشان کیوں ہو گئی ہیں ؟۔ جب اس نے ان کو تسلی دی تو ان کا رونا کم ہوا تو تب اس نے پوچھا
۔

مر و میری چچی۔ کچھ سوالوں کے جواب نہیں ہوتے۔ انہیں وقت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ وقت آنے پر اس سوالات کے جوابات مل جاتے ہیں۔ وہ اس کی پیشانی چومتی ہوئیں بولیں اور پھر سے اسے سینے سے لگا لیا۔

صیفی اور سکینہ بھی حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

سکینہ۔ جاؤ میرا پرس لاو میں مرینا کا صدقہ دوں۔ نازیہ نے حکم دیا۔ تو وہ چلی گئی واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں لڈیز پیارا سا برینڈڈ والٹ تھا۔

نازیہ نے والٹ سے پانچ ہزار نکالے اور اس کے اوپر وار دیے۔
یہ خود ایک ہزار رکھو اور باکی سب میں بانٹ دیے نہ۔ وہ نوٹ سکینہ کو پکارتے ہوئی بولیں تو وہ جی کہتی اپنے باکی کام کرنے چلی گئی۔

گڑیا! تم اب ہمیں بنا بتائے کہیں نہیں جاؤ گی۔ حارث نے اسے سختی سے کہا۔ وہ ویسے اسے بتائے بغیر کہیں نہیں جاتی تھی مگر تنبیہہ ضروری تھی۔

اچھا نہ آپ سب اتنے سیریس کیوں ہو گئے ہیں۔ جیسے یہ لیٹر نہیں ڈیتھ تھریٹ ہو میرے لیے۔ وہ لاپرواہی سے بولی تھی

گڑیا۔ حارث تڑپ کر دھاڑا تھا۔ یہ کیا بد تمیزی ہے اس طرح کون بولتا ہے ہاں۔ وہ غم و غصے سے چلایا تھا۔ زارون نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پر سکون کرنا چاہا۔

رپنزل۔ ایسے نہیں کہتے۔ کبھی کبھار کئی باتیں سچ ہو جاتی ہیں۔ زارون نرمی سے مگر تڑپ کر بولا تھا۔

جبکہ نازیہ بیگم۔ نوافل پڑھنے چلی گئیں تھیں۔ تاکہ ان کا خاندان بچ جائے۔ اور ان کے خاندان اور مرینا کے سلامتی کے لیے بھی۔

صیفی بھی باہر نکل گیا تھا۔

ادھر آؤ۔ اس کے اس طرح چلانے پر وہ ناراضی سے اسے دیکھنے لگی تو حارث نے اسے اپنے پاس بلایا۔

نہیں۔ وہ رخ موڑے ناراضی سے بولی۔ مگر اس کا رخ موڑنا حارث کو لگا اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی گڑیا کھو دی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

گڑیا ادھر آؤ۔ وہ پھر دھاڑا تھا۔

بھائی۔ زارون نے اسے گھورا وہ مرینا کو اس طرح شک میں ڈال رہا تھا۔

آؤ رپنزل۔ تمہیں تمہارے بھائی بلا رہے ہیں۔ زارون نے تڑپ کر کہا۔ تو وہ بھی تڑپ کر بھاگتی ہوئی ان دونوں کے درمیان صوفے پر بیٹھ گئی۔ تو حارث نے جلدی سے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

میری گڑیا۔ پیار سے اس کا سر چوما۔ ہماری بات مانوں گی نہ نہیں جاؤ گی نہ کہیں۔ وہ خوف کے ذریعے اثر بولا تھا۔

اس نے روتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔
آئی ایم سوری بھائی کی جان۔ حارث نے اسے یوں ہی سینے سے لگائے بولا تھا۔

اٹس اوکے! اور آپ آئیندہ مجھے نہیں ڈانٹیں گے۔ وہ مانتی ہوئی آخر میں تنبیہہ کرتی بولی تو حارث بے اختیار مسکرا دیا۔

پکا۔ پرامس کبھی نہیں ڈانٹیوں گا اپنی گڑیا کو۔ اس نے اسے یقین دلایا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اور اس کے گرد حصار تنگ کیا۔ تو زارون نے بھی مرینا کے گرد دوسری طرف سے حصار بنایا۔

وہ اب مکمل لگ رہے تھے۔ وہ بیچ میں تھی اور دونوں طرف اسے اپنے مضبوط حصار میں لیے ہوئے اس کے بھائی۔

ان کا یہ مضبوط حصار اس۔ کے لیے حفاظت اور سکون تھا۔ وہ مسکرا دی۔

بہنوں کے لیے اپنے بھائی تحفظ اور سکون ہوا کرتے ہیں۔

××××××××××××××××

وہ بند کمرا تھا۔ اس میں کوئی روشنی موجود نہیں تھی۔ اندھیرا گھرا اندھیرا۔ دفعتاً ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کمرے کا دروازا کھولا۔ ایک پولیس دیکھائی کیا۔ اور اس ہولیے نے سوئیچ بورڈ پر ہاتھ مار کر ایک ساتھ ساری بتیاں جلا دیں۔ کمرا روشن ہو گیا۔ منظر صاف۔

وہ کمرا گلابی اور سفید رنگ کا خوبصورت، بڑا اور پر تعیش تھا۔ کمرے کے بیچوں بیچ گول بیڈ جس کی پشت چھت کو چھوتی تھی۔ بیڈ کی پشت کی دوسری طرف دو دروازے تھے۔ شاید ایک واش روم اور دوسرا وارڈ روب۔ دیر دیوار سب کچھ گلابی رنگ کا تھا۔ بیڈ کے سامنے دیوار پر بڑا سا ٹی وی نسب تھا اس کے اپر اے سی اس دیوار کے نیچے دو کاؤچز رکھے تھے جو کہ سفید رنگ کے اوپر marble پینک کلر کی ڈزائن کے بنے ہوئے تھے۔ کونے میں بک شیلف۔ دوسرے کونے میں بڑا اور پیارا گملا جو کہ اس کمرے کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مگر اس کمرے کی سب سے نمایا چیز وہ تھی۔ جو اب تم لوگ دیکھو گے۔ وہ تھی ہر در دیوار پر مرینا عبدل ستار کی تصویریں۔

جو ہر در دیوار پر لگی ہوئی تھیں وہ سب مرینا کے چار سال سے لیکر اس دن مال والی تک۔ فریم کی ہوئیں ۔سب سے بڑی فریم کی ہوئی تصویر بیڈ کی پشت پر لگی ہوئی تھی۔ جس میں صرف مرینا کا چہرہ تھا۔ جس پر وہ ٹھوری پر ہاتھ رکھے آنکھوں میں معصومیت لیے ہمیشہ کی طرح حسین لگ رہی تھی۔ اور ایسا لگتا تھا وہ تصویر اس کی انجانے میں لی گئی تھی۔ اسے معلوم نہ تھا۔

اور این اس فریم کے نیچے ایک نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

وہ تختی چلی ہوئی تھی۔ اور اس کے وہ پینک کلر کی فری لائیٹ میں بنا ہوا نام تھا۔

۔ مرینا ہدیہ ملک۔

اب وہ ہولیا آگے بڑھا مرینا کی اس بڑے سے فریم پر ہاتھ پھیرا۔ اور اس فریم کے شیشے میں اس کا عکس دیکھائی دیا مگر۔ مدھم۔ ہمیں اس کی بس پشت دیکھائی دے رہی تھی۔ وہ پلٹا اب کے وہ ہولیا واضح تھا۔ تیس سال کا۔ لمبا قد۔ مضبوط اور چوڑی جسامت۔ گورا رنگ۔ نیلی سمندر جیسی آنکھیں ۔ پر کشش نقش۔ وہ حسن وجیہات کا مکمل مرد تھا۔ اس کے نقش مرینا سے ملتے تھے۔ بہت مشابہت تھی اس میں۔ یا مرینا کی اس سے۔

وہ ملک انٹر پرائز کا سی آئی او ارحان ملک تھا۔

وہ ارحان ملک تھا مرینا کا سگھا بھائی۔

وہ اس فریم کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

میری سبزہ۔ وہ بولا اس کی آواز گھمبیر تھی۔ اور اچھی بھی۔

میں بہت جلد اپنی سبزہ واپس لے آئون گا۔ اور یہ گھر آباد ہو جائے گا۔ یہ ملک ہاؤس یہ کمرا سب کچھ رونق سے بھر جائے گا۔ میں اپنی سبزہ کو واپس لے آئوں گا۔

اور مجھے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ اب چاہے صدام عالمگیر ہو یا چاہے حارث صدام۔ میں اپنی سبزہ واپس لے آئوں گا۔

وہ مٹھیاں بھینچیں اپنے ارادوں سے خود کو آگاہ کر رہا تھا۔

مرینا ان کی نہیں ارحان ملک کی تھی۔

شاید وہ بھول گئے تھے۔

اس کی قیمتی چیز۔

اس کا سب سے قیمتی اثاثہ۔

اس کی بہن۔

۔مرینا زلفکار ملک۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

××××××××××××××××××

"Welcome to Haris Saddam Alamgir's Dholki"۔

یہ تختی پڑھ کر راجپوت محل کے عالیشان گیٹ سے اندر داخل ہو تو تمہیں، بیک سائیڈ کا گارڈن کا منظر نظر آئے گا۔

پیلا، سبز اور سنہری کلر کا تھیم۔ پھول اور ساتھ آگے بنا اسٹیج۔ زرد بتیوں سے سجی چھت سے بتیاں لٹک رہیں تھیں۔ سامنے اسٹیج سے نیچے کالین پر عورتیں ڈھولک لیئے بیٹھیں گانا گانے میں مصروف تھیں۔ وہ سب ڈیکور اس طرح تھا جو آج کل کے امیر لوگوں کی ڈھولکیوں پر ہوتا ہے۔ اور اوپر سے رات کا آسمان کا منظر چاند اور تارے۔ ماحول پرفیکٹ تھا۔ ہر طرف رونقیں ہی رونقیں تھیں۔ بائیں جانب بوفے ٹیبل پر

بھی چند لوگ کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ امیروں کے فنکشنز میں یہ ہی ہوتا تھا۔ کھانا پہلے کھولا ہوا ہوتا تھا۔ کہ لوگ فنکشن انجوائے کرتے کرتے کھانا کھائیں۔

اس میں سب کے خوبصورتی کو مات دیتا مرینا کا حسن۔ وہ پیلے رنگ کی میکسی جس پر نفیس سا گھرے سبز رنگ کا کام ہوا، ہوا تھا۔ اس کا بھاری خوبصورت دوپٹہ جو کہ اس نے کندھے پر رکھا سیٹ کیا ہوا تھا۔ ہلکہ سا میک آپ اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا۔ لمبے گھنے خوبصورت بال کھولے ہوئے تھے آگے سے بس چھوٹیا بنا کر پیچھے پشت پر گھٹنوں سے نیچے گر رہے تھے۔ سب اسے ستائیشی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔
نازیہ بیگم اس کی چار مرتبہ نظر اتار چکیں تھیں۔ پانچویں کی باری تھی۔ تو وہ بچ بچا کر بھاگ آئی تھی باہر۔

حارث نے سفید شلوار قمیض کے اوپر ڈارک گرین رنگ کی ویس کوٹ پہنی ہوئی تھی اور اسی رنگ کا پیروں میں خصا۔
وہ ہینڈسم اور ڈیشنگ لگ رہا تھا زارون نے بھی سیم ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ بلکہ گھر کے سب مردوں نے۔ زارون بھی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ان کا خاندان پیدا ہی خوبصورت ہوا تھا۔
حسن اور پیسا انہیں ورثے میں ملا تھا۔

اب حارث کو اسٹیج پر بیٹھایا گیا تھا۔ اور اسے ابٹن لگ رہا تھا۔
مرینا نے ہاتھ بھر کر ابٹن لیا۔

نہیں یہ بہت زیادہ ہے۔ گڑیا تھوڑا کم کرو۔ حارث نے گھبرا کر کہا۔ بھئی دلہے کے کپڑے خراب ہو جاتے۔

ہاں! رپنزل تھوڑا کم کرو۔ زارون نے مرین آکو آنکھ مار کر کہا۔

تو وہ مسکرا کر سمجھتی ہوئی سر ہلا کر ابٹن کے سنہیرے پتیلے میں پھر سے ہاتھ ڈالا اور اس پہلے زیادہ ابٹن دونوں ہاتھوں میں بھرا۔ اس نے زارون کو اشارہ کیا۔

اوہ نشات بھابھی۔ زارون نے سامنے اشارہ کر کے ہانک لگائی تو۔ حارث نے حیران ہو کر اس کے اشارے کی طرف دیکھا۔ بھئی ان کے یہاں دلہن نکاح سے پہلے نہیں آتی تھی تو اب کیسے ؟۔ اور مرینا نے موکاع دیکھ کر اس کے پورے منہ پر ابٹن مل دیا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

آآآآآہہہہ۔ وہ بیچارہ چیخ اوٹھا۔ وہ اس افتادہ کے لیے تیار نہ تھا۔
اب وہ دونوں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

یہ کیا کیا؟ نازیہ بیگم بھی اس کی حالت دیکھتی ہنستی ہوئی بولیں۔ اور اپر اسٹیج پر چھڑتی ان کی طرف ائیں۔

ممی دیکھیں آپ کے دونوں بچوں نے میرے ساتھ کیا حشر کیا ہے۔ حارث نے ان دونوں کی شکایت لگائی۔
خود تو وہ بیچارہ کچھ کر نہیں سکتا تھا، دلہا جو ٹھرا۔

کوئی بات نہیں مزاک کر رہے تھے۔ وہ ہنسی دباتی ہوئیں بولیں۔

میرے دوست آنے والے ہونگے میں اس حلیے میں ملوں گا۔ ان سے ؟۔ وہ ان دونوں کو گھور کر بولا۔

تو دونوں نے ہنستے ہوئے لاپرواہی سے کندھے آچکا دیے۔

بیٹا تم جا کر کپڑے بدل کر آؤ۔ نازیہ بیگم اسے کہتی ہوئیں اسٹیج سے اتر کر دوسرے مہمانوں کی اور بھر گئیں ۔

وہ ان دونوں کو گھوری ڈالتا کپڑے چینج کرنے کے لیے اندر چلا گیا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

میں بھی بھائی کی مدد کر دیتا ہوں۔ بیچارے کیسے کپڑے نکالے گیں سب نوکر کام میں مصروف ہیں۔ زارون کہتا ہوا اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ مرینا بھی سر ہلاتی ہوئی نیچے اتری۔

یہ آپکی بیٹی ہیں۔ ؟ ایک خاتون نے نازیہ سے مرینا کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

نازیہ بیگم نے ایک نظر اسے دیکھا جو اب اسٹیج سے اتر رہی تھی۔ اور مسکرائیں۔ ہاں! یہ میری بیٹی ہے۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

ماشاءاللہ بہت پیاری ہے۔ کہیں بات ہوئی ہے آپ کی بیٹی کی؟۔اب وہ اپنے اصلی مدعے پر آئیں تھیں۔
ان کے شوہر آئی جی تھے اور بیٹا کوئی ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا۔

جی۔ مرینا کا نکاح ہوا ہے۔ اپنے کزن کے ساتھ۔۔ نازیہ نے انہیں مسکراتے ہوئے اطلاع دی تھی۔

اوہ۔ خاتون کے منہ سے نکلا۔ خاتون کا چہرہ بجھ گیا، انہیں افسوس ہوا تھا۔ اتنی حسین لڑکی کو کون چھوڑتا ہے؟۔
یہ حسین لڑکے اور لڑکیوں کی شادی پہلے سے ہی کیوں ہوئی ہوتی ہے؟۔

اب آپ انجوائے کیجیے میں باکی گیسٹ کو اٹینڈ کرلوں۔ نازیہ بیگم مسکرا کر کہتی ہوئیں دوسروں کی اور بھر گئیں۔
نازیہ بیگم بھی پیلے رنگ کے سجے ہوئے جوڑے۔ اور ہلکہ میک اپ، ہیئر اسٹائل میں خوبصورت لگ رہی تھیں۔ مگر انہوں نے سر پر دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

اب مرینا لڑکیوں کی بیچ بیٹھی ہوئی گانے گا رہی تھی۔
اور ساتھ ساتھ ڈھولک بھی بجا رہی تھی۔

عالمگیر فاروقی، صدام اور عبدل ستار اگلے گارڈن میں تھے۔ جہاں مردوں کا سیٹ اپ تھا۔ وہاں بھی اسی طرح ڈیکور کیا گیا تھا۔ کھانا پینا بھی اسی طرح تھا۔ مگر وہاں سب مرد تھے۔ یہ عالمگیر فاروقی کا حکم تھا کہ ہر فنکشن میں مرد اور عورتوں کا الگ سیٹ اپ ہو گا۔

مرینا نے پہلا گانا لڑکیوں کے ساتھ گانا شروع کیا۔

زرا ڈھولکی بجاو گوریون

Mere sang sang gao gorion

شرماؤ نا لگا کے مہندی

Zara talian bajao gorion

یہ گھڑی ہے ملن کی

ایک ساجن سے ساجنی کے

ملن کی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

گیت ایسا کوئی گاؤ گوریون
ایسی آئی ڈھولکی باجو گوریوں
زارا انکی تال دیکھ لو
آج انکو بھی ناچاو گوریون

یہ گھڑی ہے ملن کی
ایک ساجن سے سجنی کے ملن کی۔

وہ گاتی ہوئی ساتھ ساتھ تالیاں بھی بجا رہی تھی۔ تب اسے اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا وہ چونکی۔ نظر اٹھا کر دیکھا وہ ایک سات سال کا موٹ اور پیارا بچا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس نے مسکراتے ہوئے اس بچے کو دیکھا تو بچا پہلے تھوڑا جھکا اور اس کے گال کو چوما۔ مرینا بے ساختہ ہنس دی اور بچے کے بھی پھولے ہوئے گال چومے۔ پھر اس بچے نے اس کی طرف ایک چھوٹا فولڈ کیا ہوا کاغذ کا ٹکڑا بڑایا مرینا نے اس کاغذ کو تھاما اور بچا دوبارہ بھاگتا ہوا داخلی دروازے سے باہر نکل گیا۔

اس نے تعجب سے اس کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھا۔ پھر کندھے آچکا کر اسے کھولا۔ اس کے اندر کچھ یوں لکھا تھا۔

۔پلیز کم ٹو گیراج سائیڈ۔

وہ ادھر اُدھر دیکھتی ہوئی اٹھی۔ اسے ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ اس کا اپنا گھر تھا۔ گارڈ باہر تھے۔ گھر میں اس کے باپ بھائی تھے۔ کون کیا کرے گا؟۔ وہ اس چیز سے بے فکر تھی۔ سو اٹھی اور گیراج کی سائیڈ چل دی اسے حیرت بھی تھی کہ اسے کس نے بلایا ہے۔

وہ گیراج سائیڈ جہاں گیراج کا دروازا بند تھا وہاں پہنچی۔ اندر گیراج بڑا تھا اور ان سب کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ وہ بند دروازے کے پار باہر کھڑی تھی یہاں بھی لائیٹس لگائی گئیں تھیں سو روشنی تھی۔ تب ہی گیراج سائیڈ والی لائیٹس آف ہوئیں۔ کسی کو کچھ پتہ نہیں چلا۔ کہ اس سائیڈ کی لائیٹس ہو گئی ہیں۔

وہ گیراج سائیڈ area اندھیرے میں ڈوب گیا۔ تب گیراج سے لکڑی کا دروازا جو کہ دیوار کی سائیڈ پر لگا ہوا تھا۔ کہ گاڑی پارک کر کے دروازا بند کر کے اس دروازے سے اندر گھر میں یا باہر داخل ہوا جائے۔ وہ دروازا کھولا۔ اور پر بند ہوا جیسے وہاں سے کوئی نکلا ہو۔

اور..... کسی نے مرینا کی کلائی تھامی۔

اس انجان لمس سے مرین کی ریڑ کی ہڈی میں سنسناہٹ ڈور گئی۔ وہ سانس نہیں لے سکی۔ وہ بد کی مگر گرفت مضبوط تھی۔ وہ ساکت۔ جامد۔ شل رہ گئی۔ تھی

وہ چیخ نہیں پائی کیونکہ اس ہولیے نہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وہ مزاحمت کر رہی تھی۔ اس ہولیے کے ہاتھوں جس پر گلوز چھڑے ہوئے تھے۔ اور جو اس کے منہ پر رکھا ہوا تھا اسے نوچا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

دھیرے دھیرے مرینا کا مزاحمت کرتا وجود تھم گیا۔
وہ ساکت۔ جامد شل رہ گئی تھی۔
ششدر۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

جاری ہے۔

باقی آئندہ قسط میں

Click here

safareadab.com

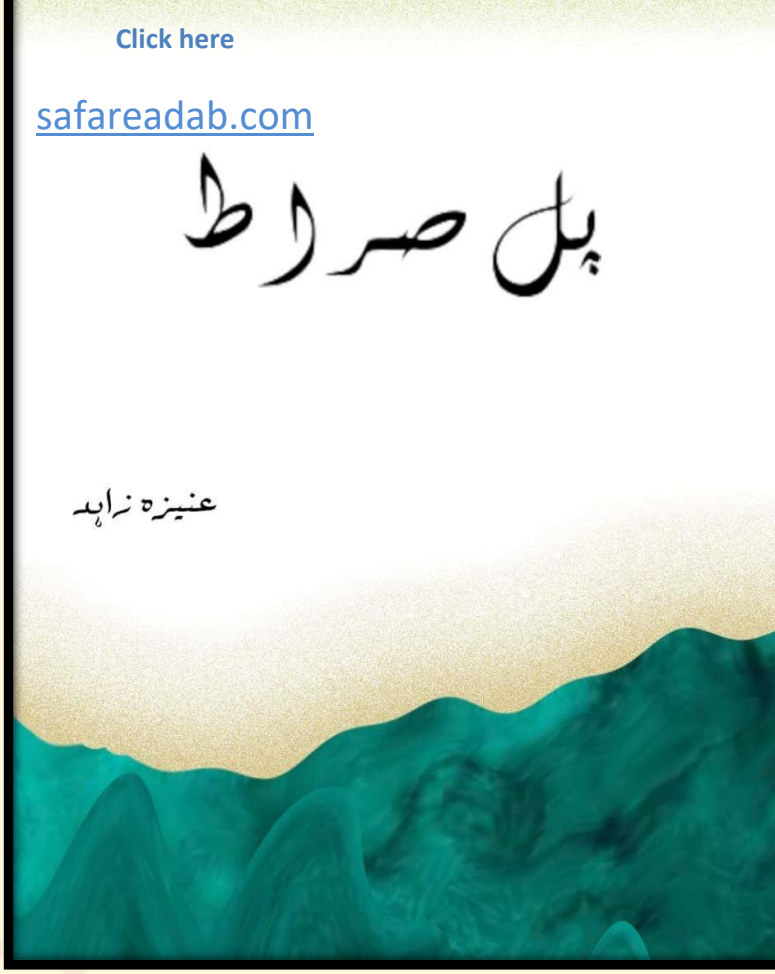

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آ جائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

Click here

safareadab.com

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول تحلیل سے تکمیل تک کی ایک جھلک

"تو تم خود بھی وہاں کیوں نہیں مر گئے طالب!
میرے اللہ! میرا کیا قصور تھا! میرا کیا گناہ تھا!" وہ زمین پے ایڑیاں رگڑ رگڑ کے بچوں کی طرح رو رہی تھی. پیچھے کھڑی شائستہ بی اپنے منہ پے ہاتھ رکھے، نم آنکھیں لیے اسے ہی دیکھ رہی تھیں.

"میں نے کسی کا کیا بگاڑا تھا! میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا! میں اپنا وعدہ پورا نہیں کر سکی آرش!"
اس کی چیخیں دل چیر دینے والی تھیں. طالب مضبوطی سے اپنی آنکھیں بند کیے کھڑا تھا. اس سے سارا کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی.
وہ اٹھی اور ٹی-وی اسکرین کے پاس ایک بار پھر جا کھڑی ہوئی. شائستہ بی نے اس کو وہاں سے دور کرنا چاہا مگر وہ بضد تھی.

"تب تو دیکھ نہیں سکی.. جب.. جب سب سلامت تھا اب تو دیکھ لینے دیں! دیکھ لینے دیں مجھے اپنے گھر کو! اپنی زمین کو!" اس نے شائستہ بی کو پیچھے دھکیلا. وہ آج اسی سرزمین کو رو رہی تھی جس سے اس نے اظہار نفرت کیا تھا.

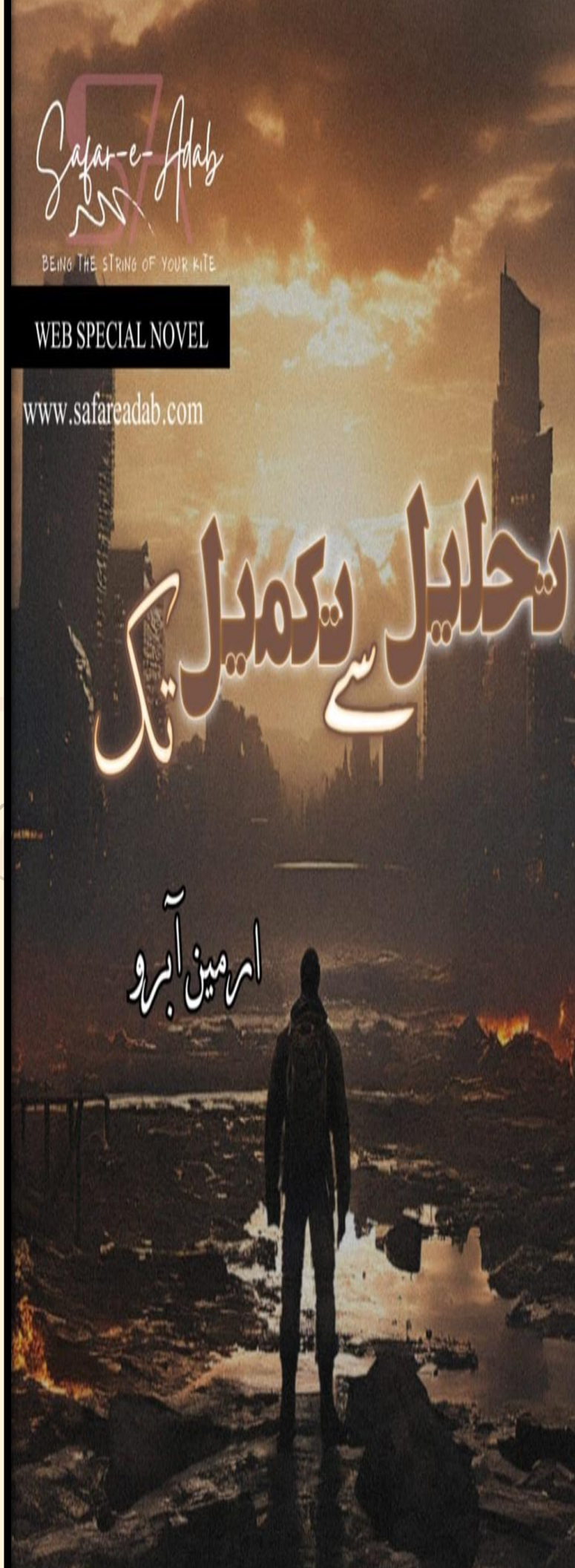

"میری غلطی ہے! سب میری غلطی ہے! میں کیوں آئی وہاں ان کو اکیلا چھوڑ کے! مار کو تم نے اچھا نہیں کیا! اللہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا!" وہ اسکرین پے دیکھاتے، کچھ زخمیوں اور کچھ شہیدوں کی تصاویر پے ہاتھ پھیر رہی تھی.

"صبر کرو میری بچی!" شائستہ بی اس کے پاس آئیں اور سے گلے لگا لیا.

"میری تقدیر میں ہمیشہ صبر ہی رہے گا کیا شائستہ بی!" وہ ان کے سینے سے لگے بلک بلک کے رو رہی تھی. اس کی ہچکی بندہ گئی تھی.

"اللہ! مدد کر میرے رب!" شائستہ بی بھی اس کی حالت دیکھ کر تڑپ رہی تھیں.

ایک کے بعد ایک بم گرایا جا رہا تھا اور سب ختم ہوتا جا رہا تھا. طالب نے آگے بڑھ کے ٹی-وی بند کر دیا. وہ نہیں چاہتا تھا کہ سارا مزید ایسا کچھ بھی دیکھے.

"کھولو اسے طالب.. کھولو میں دیکھنا چاہتی ہوں. کہیں تو شاید میرے گھر والے بھی ہوں گے! کھولو طالب..!" وہ کہتی رہی مگر طالب نے اس کی ایک نہ سنی.

"سمبھالو خود کو سارا.." زنیرہ اس کے پاس آئی جو زمین پے بیٹھی شائستہ بی کے گلے لگے ہچکیاں لے رہی تھی.

حکمرانوں کی وحشت کا ازالہ ہمیشہ عوام اٹھاتی ہے. عوام ہی ہوتی ہے جو بغیر کسی گناہ کے سزا کاٹتی ہے. اور اسکو پلے کے لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا.

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب